سوانح حیات امیر خسرو

پروفیسر محمد حبیب صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی
انگریزی کتاب " حضرت امیر خسرو آف دہلی " کا
اردو ترجمہ

مترجمہ

جناب حیات اللہ صاحب انصاری

۱۹۳۸ء

ہندستانی اکیڈیمی ، صوبۂ متحدہ ،
الہ آباد

Published by:
The Hindustani Academy, U. P.,
Allahabad

First Edition :
Price As. 10

Printed at
THE CROWN PRESS,
ALLAHABAD.

سوانح حیات امیر خسرو
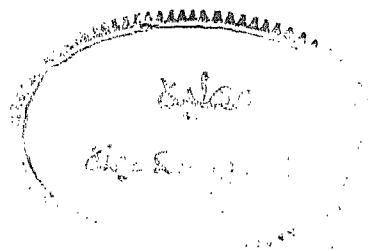
سوانح حیات امیر خسرو

پروفیسر محمد حبیب صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی
انگریزی کتاب "حضرت امیر خسرو آف دہلی" کا
اردو ترجمہ

مترجمہٗ

جناب حیات اللہ صاحب، انصاری

۱۹۳۸ء

ہندستانی اکیڈیمی، صوبۂ متحدہ،
الہ آباد

تعارف

"سوانح حیات امیر خسرو" جناب پروفیسر محمد حبیب صاحب، مسلم یونیورسٹی علی گدھ کی انگریزی کتاب "حضرت امیر خسرو آف دھلی" کے باب اول کا ترجمہ ھے - جو رسالۂ ھندستانی میں جستہ جستہ شائع ھوا ھے اور اب اکیڈیمی کی جانب سے کتابی صورت میں شائع کیا جا رھا ھے -

ترجمہ جناب حیات اللہ صاحب انصاری نے کیا ھے اور مصنف کی اجازت سے اِس میں جا بجا تغیر بھی کیا گیا ھے -

محمد رفیع

اردو اسکالر، اڈیٹر "ھندستانی"

ھندستانی اکیڈیمی، یوپی اِلہ‌آباد

۲۲ جون ۱۹۳۸ع

سوانح حیات امیر خسرو

از پروفیسر محمد حبیب صاحب

مترجمہ جناب حیات اللہ انصاری

ضیاء الدین برنی اپنی مشہور کتاب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں :—

''در عصر علائی شعرائی بودند کہ بعد از ایشان بلکہ پیش از ایشان چشم روزگار مثل ایشان ندیدہ است' لا سیما امیر خسرو کہ خسرو

---

[۱] امیر خسرو کی مفصل سوانح حیات اس جگہ پر نہیں دی جاسکتی اس سے زائد کے متلاشی کو میں اُن کتابوں کا حوالہ دیتا ہوں جو بہ آسانی مل سکتی ہیں - موجودہ دور کی تصانیف میں سب سے زائد مفصل بیان مولانا شبلی کی شعرالعجم میں ہے ہر چند کہ اس کا تاریخی حصہ دوسرے درجے کی تاریخوں سے بلا تنقیدی نظر ڈالے ہوئے اخذ کر لیا گیا ہے لیکن پھر بھی وہ آخری دور کے ہندوستانی مسلمانوں کی تصانیف میں سب سے بہتر ہے- غرۃ الکمال کے شروع میں امیر خسرو نے مختصر پیمانے پر خود اپنے سوانح حیات قلمبند کیے ہیں - دوسری تصنیفوں میں بھی بار بار اپنا تذکرہ کرتے رہے ہیں - معاصرین کی تصنیفات میں سب سے زائد قابل اعتبار برنی کی تاریخ فیروزشاہی ہے- کچھ ہی دنوں بعد کی ایک دوسری تصنیف سیرالاولیا از میر خرد میں بھی امیر خسرو کا مختصر حال ملتا ہے- یہ اُن واقعات پر مبنی ہے جو مصنف نے اپنے والد سے' جو خسرو سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے' سنے تھے- معاصرین کی تصنیفات پر اگر ناقدانہ نگاہ ڈالی جائے تو سوانح حیات کا کافی مواد مل جاتا ہے- مگر آخری مورخین نے بدقسمتی سے سنی سنائی روایتوں کو بہت جگہ دے دی - عبدالقادر بدایونی (منتخب التواریخ جلد اول) نے اُسی پر اکتفا کی جو اُنہوں نے متفرق کتابوں سے پڑھ کر حاصل کیا تھا ۔ دولت شاہ کا بیان (تذکرۃ الشعرا مرتبۂ براؤن صفحہ ۲۳۸—۲۴۷) غیرمرتب تاریخی واقعات اور غیر ناقدانہ تعریف کا عمدہ نمونہ ہے- فرشتہ مجموعی حیثیت سے اس پر اعتبار کرنے سے اجتناب کرتا ہے-

شاعران سلف و خلف بوده است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات و کشف رموز غریب نظیر خود نداشت ۔ و اگر اوستادان نظم و نثر در یک دو فن و بےهمتا بودند امیر خسرو درجمیع فنون ممتاز و مستثنی بود - همچنان فرفنونے که در جمیع فنہاے شاعری بسرآمده و اُستاد باشد در سلف نبود و درخلف تا قیامت پدید آید یا نیاید - .... ومع ذلک الفضل و الکمال والفنون و البلاغ صوفی مستقیم الحال بود و بیشترے عمر او در صیام و قیام و تعبد و قرآن‌خوانی گذشته است و بطاعات متعدیه و لازمه یگانه شده بود و دائم روزه داشتی و از مریدان خاصهٔ شیخ بود و آنچنان مریدے معتقد من دیگرے را ندیده‌ام و از عشق و محبت نصیبی تمام داشت و صاحب سماع و صاحب وجد، و صاحب حال بود و در علم موسیقی گفتن و ساختن کمالے داشت و هرچه نسبت بطبع لطیف و موزون کنند باری‌تعالی او را دران هنر سرآمده گردانیده بود و وجودے عدیم‌المثال آفریده و درقرون متاخره از نوادر اعصار پیدا آورده............ ..

سالہا مرا با امیر خسرو و امیرحسن مذکور تودد و یگانگی بوده است و نه ایشان بی صحبت من بتوانستندے بود وَنه من - ندانستمی که مجالست ایشان وا گذرانم و از محبت من میان ایشان هردو اوستاد قرابتی شد و درخانہاے یکدیگر آمد و شد کردن گرفتند۔'' ا -

اکبر کے عہد کا ایک باوثوق مورخ عبدالقادر بدایونی بھی خسرو کا اتنا ھی مداح ہے :—

''از جملهٔ شاعران که زمان سلطان علاءالدین بوجود ایشان مزین و مشرف بود یکے خسرو شاعرانست علیه الرحمة والرضوان که آفاق کران تا کران از نظم و نثر وے مملو و مشحون است و خمسه را در سنهٔ شش صد و نود و هشت بنام سلطان علاءالدین در مدت دو سال تمام ساخته و ازآن جمله مطلع‌الانوار را در دو هفته گفته - درکتاب نفحات از سلطان المشائخ

ا—تاریخ فیروزشاهی (ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) ص۳۵۹ -

نظام الاولیاء قدس الله سره العزیز نقل می کنند که روز قیامت هرکسے به چیزے و ناز من بسوز سینهٔ این ترک الله است و خسرو غالبا باین معنی اشارت می فرماید - بیت -

خسرو من کوش براہ صواب تات شود ترک خدائی خطاب

مولانا شہاب معمائی در تاریخ وفات او قطعهٔ گفته بر تختهٔ سنگے نقش فرموده بالاے مزارش نصب ساخته و قطعه این‌است -

میر خسرو خسرو ملک سخن آن محیط فضل و دریاے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین نظم او صافی‌تر از آب زلال
بلبل دستان سراے بیقرین طوطی شکر مقال بیمثال
از پے تاریخ سال فوت او چون نهادم سر بزانوے خیال
شد "عدیم‌المثل" یک تاریخ او دیگرے شد "طوطی شکرمقال"
۷۲۵ ۷۲۵

باوجودیکه بیرونی نقادان سخن هندوستان کے فارسی شعرا کے حق میں متعصب هیں، ایک بیرونی نقاد دولت شاہ سمرقندی امیر خسرو کی مدح و ثنا اِن الفاظ میں کرتا ھے :

"کمالات او از شرح مستغنی است و ذات ملک صفات او بغنائم عالم معنی غنی، گوهر کان ایقان، و در دریاے عرفان‌است - عشقبازی حقائق را در شیوهٔ مجاز پرداخته بلکه با عرائس نفائس حقائق عشق باخته - جراحات عاشقان مستهام را اشعار ملیح او نمک می باشد، و دلهاے شکستهٔ خستگان را زمزمهٔ خسروانی او مینخراشد، بادشاه خاص و عام است از آنست که خسرو نام‌است و در ملک سخنوری این نامش تام‌است و در حق او مرتبهٔ سخن گذاری ختم و تمام است -

امیر خسرو را در مدح سلطان علاءالدین محمد و اولاد کرام او قصائد و تصانیف است و چون نسیم عالم تحقیق بر ریاض اُمید او وزید عالم ناکس را در نظر همت خس‌دید، بارها از ملازمت استغنا خواستے و سلطان علاءالدین

ایا نمودے ۔ آخر الامر بکلي از ملازمت مخلوق مخلوع شد و بخدمت اهل حق مشغول گشت و دست ارادت بدامن تربیت شیخ عارف ناسک قدوة الواصلین نظام الحق والدین و الاولیاء قدس الله سره العزیز زد و سالها بسلوک مشغول مي بود و مدح ملوک را در سلوک از دیوان اشعار محو ساخت و خاطر مدور داشت و درکشف حقائق مقام عالي یافت ....

دیوان امیر خسرو را فضلاجمع نتوانستند کرد چه از روے انصاف تامل نمودند که بحر در ظرف و علم لدني درصرف نگنجد و سلطان سعید بایسنغر خان سعی و جهد بسیار نمود در جمع آوردن سخنان امیر خسرو و همانا یکصد وبیست هزاربیت جمع نموده و بعد ازآن دو هزار بیت از غزلیات خسرو جائی یافته' که در دیوان او نبوده' دانسته است که جمع نمودن این اشعار امرے متعذر الحصول و آرزوئے متعسر الوصول است ترک نموده است ۔ و امیرخسرو در یکے از رسائل خود بیان فرموده که اشعارمن از پانصد هزار بیت کمتر است و از چهار صد هزار بیت بیشتر ۔"

یہ ادیب جس کے متعلق معاصر اور متاخر نقادان سخن ایسي اعلي رائے رکھتے ہیں ترکوں کے ایک اونچے گھرانے میں جو ترک وطن کرکے هندوستان آیا تھا پیدا هوا ۔ اُن بہت سے خانماں برباد لوگوں میں جن کو چنگیزي حملوں نے وسطی ایشیا سے بھگا کر هندوستان میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا ترکي قبیلۂ لاچین بھي تھا [۲] جس کا وطن صوبۂ ماوراء النهر کا شہر تکش معلوم هوتا هے ۔ سلطان شہاب الدین ایلتتمش نے مہاجرین کا بہت گرمجوشي سے خیر مقدم کیا ۔ خسرو کے والد سیف الدین سرفاران لاچین سے تھے' اور اُن کي ماں بلبن کے

[۲] علامہ شبلي شعرالعجم میں' جس کا ماخذ بہارستان سخن هے' دولت شاہ کو الزام دیتے هیں کہ امیر لاچین کي آمد کو محمد تغلق کے زمانے میں لکھا هے ۔ یہ غلطي یوں هوگئي هے کہ دولت شاہ شمس الدین محمد لکھتے هیں جس سے شہنشاہ ایلتتمش مراد هے ۔

وزیر جنگ عمادالملک کی بیٹی تھیں [۳]۔ یہ شاعر ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۳ء میں شہر پٹیالی میں پیدا ہوا [۴] اُسی وقت نوزائیدہ بچہ چادر میں لپیٹ کر ایک مجذوب کی خدمت میں، جنھوں نے ہمسایے میں سکونت اختیار کر لی تھی، پیش کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا "ایسا لائے ہیں، تم میرے سامنے اِس بچے کو لائے ہو جو خاقانی سے دو قدم آگے نکل جائے گا"۔ ابھی خسرو کا سن سات ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ لیکن گھرانا خوشحال تھا۔ اس لیے ان کی تعلیم و تربیت خاص توجہ سے ہوئی۔ ان کی آخری دور کی تصانیف سے پتا چلتا ہے کہ آپ اس زمانے کے علوم و فنون اور فلسفے میں کافی دستگاہ رکھتے تھے لیکن طبعی رجحان شاعری کی طرف تھا۔ بچپن ہی سے طبع آزمائی کرنے لگے۔ اور بیس برس کے سن تک پہنچتے پہنچتے آپ کی زندگی کا مقصد متعین ہو گیا۔

---

[۳] برنی عمادالملک کے بارے میں لکھتا ہے۔

ملکے از نوادر ملوک سلطان بلبن عمادالملک راوت عرض بودہ است واین عمادالملک بندۂ شمسی بودہ و ہم در عہد شمسی از عرض شکرہ بعرض ممالک رسیدہ و در مدت سی سال در عہد فرزندان شمسی عرض ممالک ہم ہموں داشت ر در نوبت سلطنت خود سلطان بلبن عرض ممالک بزارت عرض داد و راوت عرض در عہد شمسی از یاران سہتر سلطان بلبن بود وفی الجملہ در دو قرن کہ شصت و دو سال باشد مصالح دیوان عرضی ممالک بہ سر او اِمارت راوت عرضی مفوض بودہ است و سلطان بلبن حرمت و حشمت راوت عرض بواجبی مراعات کردی۔ و فرمودہ بود کہ زیر دست خانان و ملوک بایستی او نشیند و در دیوان عرض او مطلق العنان باشد........

و راوت عرض مذکور بہ آداب ملوک قدیم و طرق و طریق خانان کبار آراستہ بود او را بسیار خیرات و حسنات بسیار بودہ است و چندین دیہائے وقف کردہ بود۔

[۴] یہ نتیجہ میں نے قران السعدین سے نکالا ہے، جو ۶۸۸ھ میں ختم ہوئی اور مصنف کے بیان کے مطابق اُس وقت اُن کا سن چھتیس برس کا تھا۔ شعرالعجم میں ۶۵۰ھ کی پیدائش لکھی ہے، جو صریحی غلطی ہے۔

اکثر شعرا کو بدنصیبی سے ایسی نازک مزاجی اور بددماغی ودیعت ہوتی ہے کہ اُن کو دنیا کی کشاکش سے بالاخر کنارہ کش ہو جانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس میں کامیاب ہونے کے لیے مزاج میں کچھ لوچ اور رواداری ہونا شرط اولین ہے۔ اس بدقسمت گروہ میں تقریباً شرق و غرب کے تمام بہترین اہل قلم آ جاتے ہیں لیکن امیر خسرو کا شمار اس میں نہ تھا۔ ان میں میل جول کا مادہ اتنا تھا کہ شاعر محض نہیں بن سکتے تھے یہ شخص جس کے رگ و پے میں شاعرانہ جذبات سرایت کیے ہوئے تھے' دنیاوی معاملات میں بھی خوب ہوشیار تھا۔ تلوار کو بھی اسی طرح گردش دے سکتا تھا جسطرح قلم کو۔ ان میں "حال" سے لطف اندوز ہونے کی خاص اہلیت تھی۔ اس چیز نے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر اپنے فن میں ہمہ تن مستغرق ہوجانے سے محفوظ رکھا۔ ورنہ شعرا' اور بالخصوص ایسے جن کو تلخ کامیوں کا منہ دیکھنا پڑا ہو اس استغراق کے نذر ہو جاتے ہیں۔ اور اسی میں دنیاوی ترقیوں کا نعم البدل تلاش کرتے ہیں۔ تقریباً تین چوتھائی صدی تک دلی ہندوستان کا پایۂ تخت رہا۔ مختلف اسباب نے جمع ہوکر اس کو "بغداد ثانی" بنادیا تھا۔

اسلامی ایشیا پر اہل منگول کا تسلط ہوجانے سے' جو اُمرا و علما اور ارباب حکومت اس بیگانہ مگر مہمان‌نواز ملک میں آکر پناہ‌گزین ہوئے تھے' اِسی شہر میں آکر بسے۔ ہندوستان کی بہترین اور بدترین سوسائٹی کا عطر یہاں جمع ہوگیا تھا۔ نجومی' دستکار' گویے' خونی' ٹھگ' جعل‌ساز' اور ہر طرح کے بدمعاش موجود تھے۔ دلی ہر قسم کے فنون لطیفہ و قبیحہ کا گہوارہ بن گیا تھا۔ ہوشیار اور چالاک ہوئے آدمی کی یہاں ہر وقت گنجائش رہتی تھی۔ دلی کے نواح اور گاؤں میں قرمساق طوائفیں اور جواری سارے ہندوستان سے' اپنے ہتھکنڈے آزمانے کے لیے جمع ہوگئے تھے۔ ان سب کے ساتھ بڑی تعداد میں صوفیہ آگئے تھے۔ گویا کہ خداوند تعالے نے ان برائیوں کا مصلح بھیج دیا تھا۔ مگر شہر بدستور پہاڑ پر سے لڑھکنے والے پتھر کی ایسی سرعت سے جہنم کے منہ میں سر کے بل گرتا گیا' اور حضرات صوفیہ باوجود اپنی ان‌تھک کوششوں کے

اس کو صرف برائے نام سنبھال سکے۔ اس دھوپ چھاؤں والے شہر کی حالت امیر خسرو کے طبعی رجحان کو بہت راس آئی - اس حالت نے اُن کو بہت کچھ سکھانا چاہا اور یہ سیکھنے پر آمادہ بھی نکلے۔ انھوں نے دلی کا ہر رخ سے معاینہ کیا - یہاں کے واعظین کی خطابت، اور صوفیہ کے پر کیف حالے ہوں یا یہاں کی رقاصاؤں کے دلربایانہ عشوے، اُن کی نظر سے نہیں بچے۔ جب اُنھوں نے لکھنے کے لیے قلم اُٹھایا تو گہرے سے گہرے انسانی جذبات سے اُن کا دل مملو تھا ۔ شیخ سعدی شیرازی نے کہا ہے:

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم   ز ہر گوشۂ خرمنے تافتم

"خسرو نے، اپنے پیشرو کی تقلید کی، اور دربار شاہی سے لے کر مزدوروں کی گلیوں تک؛ خانقاہوں سے لے کر خرابات تک، معاشرت انسانی کی تمام تہ بہ تہ حالتوں کا مطالعہ کیا - خسرو کی بعض بعض تصنیفوں میں تکلف اور تصنع آگیا ہے۔ اس کی وجہ اُن کی صداقت حیات سے ناواقفیت نہیں، بلکہ زمانے کی بدذوقی ہے۔"

پیٹ پالنے کی کوئی سبیل نکالنا تھی - اس دور میں ترکی امرا میں صرف ایک خوبی رہ گئی تھی - وہ اُن کی ناعاقبت اندیشی داد و دہش تھی - خسرو بھی اُنھی میں فیاض تھے- آئینۂ سکندری میں اپنے بیٹے رکن الدین کو نصیحت کرتے ہیں :

ز ہر توشہ کاید ز روزی رسان   مرادے بہ بےتوشۂ می رسان

گرہ ساز کردن ز دل باز کن   ولے ز ابرو اول گرہ باز کن

بخیلے کہ باشد خوش و تازہ روے   بسے بہ ز بخشندۂ تلخ روے

و گر با تلطف تمنا دہی   دو نعمت بود کاں دو یکجا دہی

بہ نعمت کساں را سر افگندہ کن   بدین خواجگی خلق را بندہ کن

چو گربہ نشاید شدن تنگ خوے   کہ چون لقمہ یابد شود گوشہ جوے

بہ بیگانہ بخشں آنچہ داری بدست   کہ بخشد بفرزند و زن ہرکہ ہست

نشاید جوانمرد خواندن خروس   کہ باشد جوانمردیش با عروس

بود لابد آن خواجہ در بند خویش   کہ مهرش بود سوی فرزند خویش
بخویشان دل مردم افزون کشد   کہ خون عاقبت جانب خون کشد

جس شخص کے خیالات ایسے ہوں، اُس کو اگر گذارہ کرنے بھر کا مل بھی جائے تو بھی اطمینان نہ ہو - علاوہ ازیں امیر خسرو کا غریب رہنے کا ارادہ بھی نہ تھا - اب رہا یہ کہ تن دہی سے محنت مشقت کرکے رفتہ رفتہ دولت پیدا کرتے، مگر انہوں نے بھی اور اہل قلم حضرات کی طرح اس طول امل کو ناپسند کیا - اور ایسا پیشہ اختیار کیا جس میں کام کم کرنا پڑتا اور روپیہ زائد ملتا - علاوہ ازیں اس پیشے نے خسرو کو متعین شدہ مقصد حیات سے بھی دور نہیں ہٹایا؛ یعنی درباری شاعر بن گئے - قرون وسطی میں شاطران سیاست (ارباب حکومت) شعراء کی اتنی ہی قدرشناسی کرتے تھے، جتنی اُن کے جانشین، اِس دور میں اخبارات کی - شاعر کی مدح و ثنا ممدوح کو عوام میں ہر دلعزیز بنا دیتی، اُس کا نام زبانوں پر چڑھ جاتا - اگر اُس کی نظر انتخاب اچھی ہوتی تو شاعر کے کلام کے ساتھ اُس کو بھی حیات جاوداں مل جاتی - خسرو کو اِس پیشے سے عجیب و غریب مناسبت تھی - وہ قصیدے اور غزل ایسی پھرتی سے لکھتے جیسے ہمارے زمانے کے نامہ‌نگار روزانہ اخباروں میں اڈیٹوریل لکھا کرتے ہیں - جس صحبت میں جاتے ویسے ہی بن جاتے - بہت دلکش شخصیت تھی، حاضرجواب اور بذلہ سنج اور خوش‌گفتار تھے - اُس زمانے کی سیاسی فضا میں خسرو جو راہ چل رہے تھے بہت خطرناک ہوگئی تھی - مگر خسرو جتنے رسا تھے اتنے ہی معاملہ‌فہم - ہمیشہ اونچ نیچ دیکھ کر قدم اُٹھاتے - کبھی سر چکرا دینے والی بلندی پر نہیں چڑھے - یہ مشکل کام تھا کہ ایک آدمی ندیم بھی ہو اور سیاسی گتھیوں میں نہ اُلجھے - مگر خسرو نے اپنے کو ہمیشہ اپنے مربی کے سیاسی جھگڑوں سے محفوظ رکھا - اُن کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ اور کاروباری رہے - یہ ممدوح کی مدح سرائی کرتے، اُس کے عوض روپیہ لیتے - اور ہمیشہ بڑی رقم لینے پر مصر ہوتے - تقریباً نصف صدی تک رنگارنگ حباب اُن کی مدحیہ نگاہوں کے سامنے سے

گذرتے رہے' اور یہ اُن کی مبالغہ‌آمیز تعریفیں کرتے رہے- مگر اِدھر حباب ٹوٹتا' اُدھر یہ اس کو بھول جاتے- اِن کے اُفق پر ہمیشہ کوئي نہ کوئي ستارہ طالوع رہا - اور یہ شاعر ہاتھ میں عصاے ہجرت لیے' شیریں نغمہ الاپتا اس طرف سفر کرتا رہا - کسي فاني انسان کے نصیب میں خالص مسرت نہیں ہے- مگر امیر خسرو کي زندگی ایسي رہي کہ عمر خیام کو اُس پر رشک آئے' اور بےاختیار "احسنت" پکار اُٹھے-

خسرو کا پہلا مربي علاءالدین محمدکشیل خان عرف ملک چھجھو تھا [٥] خسرو اس کي ملازمت میں غالباً ۱۲۷۷ع میں داخل ہوے- یہ شخص سلطان غیاث‌الدین کا بھتیجا اور حاجب تھا - برني اپني تاریخ میں لکھتا ہے :

"و در عصر سلطان بلبن وزرا و اشراف و اکابر و معارف بسیار بودند و از فضلاء و بلغاء و ہنرمندان و ماہران و مقربان و قوالان و مطربان عدیم‌المثال آن عصر معاو و مشہور بودہ است - و از جہت آنکہ درعہد او معتبران بسیار بودہ اند اعتبار او در اطراف عالم پیدا آمدہ بود - داب و آداب بادشاہي و رسم و رسوم جہانداری او واجب الاقتداء و الاتباع دیگر پادشاہان شدہ - و از توافق دولت بلبني چند ملک از نوادر ملوک و روزگار در عصر او پیدا آمدہ بودند و اعوان و انصار ملک و دولت او گشتہ یکي از نوادر ملوک در آن عصر ملک علاءالدین کشلی خان برادر زادۂ سلطان بلبن بود کہ از بسیاري بذل و کثرت جودکوي سبقت از حاتم طائي ربودہ بود' و من از بسیاران از اہل اعتبار' خاصۃ از امیر خسرو' شنیدہ‌ام کہ ہمچو ملک علاءالدین کشلی خان در بخشش و بذل و تیر فرستادن و گوي زدن و شکار انداختن مادر نزاید - و ہمدران ایام کہ

[٥] مولانا شبلي بہت کاوش کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ملک چھجھو اور کشلی خان ایک ہي شخص تھے- برني کے مطالعہ کرنے والے کو اس کے متعلق ذرا شبہہ نہیں رہ سکتا - چھجھو صرف عرف عام تھا اور اس کے باپ کو خطاب کشلی خان شہنشاہ بلبن کي جانب سے عنایت ہوا تھا -

او بجاے پدر خود کشیل خان، که برادر سلطان بلبن بود، باربک شد و چوگان زد واقطاع کول یافت خواجه شمس معین ندیم خاص ملک قطب‌الدین حسن غوري که در محامد و مآثرآن ملک یگانه مجلدات پرداخته اند بر صدر حیات بوده، نظمے در مدح ملک علاءالدین مذکور بگفت و غزلے از سرود دران نظم زیادت کرد و بمطربان درگاه بلبني داد و ایشان را آن نظم و آن غزل بیاموخت و مطربان را شکرانه پذیرفت و بر راه کرد تا آن غزل ساخته خواجۀ شمس معین را در روز جشن نوروز بوقت آنکه خدمتیان خانان و ملوک مي گذرند بنام هر یکے فصلے مي خوانند در صفۀ بار پیش سلطان بلبن بگویند، و مطربان سلطاني این نظم را باغزل پیش سلطان ادا کردند -

شه علاءالدین الغ‌قتلغ معظم باربک

پور کشیل خان معظم خسرو روے زمین

ملک علاءالدین تمامي اسپان پائگاه خود را بخواجه شمس معین بخشید و مطربان را ده هزار تنکه انعام داده - و هم ازین عطیه عطاے او قیاس میتوان کرد - و از بسکه جود و بذل و گوے‌باختن و شکار انداختن ملک علاءالدین کشیل خان در خراسان و هندوستان منتشر شده بود، سلطان بلبن را با آنکه عم او بود غیرت آمدے و از بخشش بسیار او برنجیدے - و من از خواجه زکي خواهر زادۀ حسن بصري وزیر بلبن استماع دارم که در عهد بلبن خبر بخشش و تیر فرستادن و گوے باختن و شکار انداختن ملک علاءالدین کشیل خان به هلاکو ملعون در بغداد رسید هلاکو کارد کوچک بوجه یادگار بر ملک علاءالدین فرستاد - و آرندۀ کارد سپر بزغاله وکیل دربار بلبن بود - هلاکو او را پیغام داد که ملک علاءالدین را از من بگوے که من گوے باختن و شکار انداختن تو شنیده‌ام میخواهم که ترا بدهم که اگر بر من آئی نیمي عراق ترا میدهم - از شنیدن پیغام مذکور سلطان بلبن برخود بریپچید و او را خوش نیامد و غیرت او بر ملک علاءالدین زیادت گشت " [۹]

---

[۹] تاریخ برني — صفحه ۱۱۲

دوسرے شاعروں کی طرح خسرو بھی اس دربار کی فیاضی میں خوب نہائے اور بہت جلد نمایاں حیثیت حاصل کرلی - ان کا سب سے مشہور قصیدہ جو ملک چھجھو کی شان میں ہے ایشیائی فلوکی صحیح مثال ہے :

صبح چوں از سوے مشرق رو نمود   صحن میدا روضۂ مینو نمود
صبح را گفتم کہ خورشید کجاست   آسمان روے ملک چھجھو نمود
شہسوارا گاہ نخچیر آمدن   شیر پیشت یوز چوں آھو نمود
تیر تو نظارۂ صد چشم را   صد دریچہ بر سر یک مو نمود
چرخ را گفتم ستونی پشت ھست   دست پر زور تو و بازو نمود
از عرقہاے جبین بر آستانت   آب روے خاق آب جو نمود
جستم از گردون قیاس عمر تو   از قیامت منزلے زان سو نمود

خسرو ملک چھجھو کی ملازمت میں دو برس تک رہے- پھر ایک معمولی سے واقعے نے ملک چھجھو کا دل اُن کی طرف سے پھیر دیا - ایک بار نصیرالدین بغرا خان' بلبن کا دوسرا بیٹا' ملک چھجھو کی صحبت میں شریک تھا - خسرو نے کچھ اشعار پڑھے' جس سے خوش ہوکر اُس نے روپیوں سے لبریز قدح انعام میں دیا - خسرو نے قبول کرلیا - ملک چھجھو اِس بات پر ناراض ہوگیا - پھر اِنھوں نے لاکھ لاکھ کوششیں کیں کہ بے مربی کو راضی کرلیں مگر کچھ حاصل نہیں ہوا - آخرکار اپنی خدمات بغرا خاں کی طرف' جو اُس زمانے میں سامانا کا گورنر تھا' منتقل کردینا پڑے- نئی ملازمت میں آئے اُن کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ لکھنوتی کے گورنر تغرل نے بغاوت کی - اور سلطان نے بذات خود اُس پر لشکرکشی کی- سیدھے سادھے' قناعت پسند شاہزادے بغرا خان کو بھی اپنے باپ کے ساتھ جانا پڑا - اُس نے خسرو کو ہمراہ رکھا - بغاوت فرو ہوگئی - باغیوں کو اتنی عبرت‌انگیز سزائیں دی گئیں کہ سارا ہندوستان لرزگیا - اس کے بعد بلبن نے بغرا خان کو مفتوح صوبے کی گورنری عطا کی ——— اور خود واپس چلا گیا - معلوم ہوتا ہے کہ خسرو شہنشاہ کی واپسی کے بعد کچھ عرصے تک لکھنوتی میں رہے' مگر مشرقی

صوبے کے شہر کی آب و ہوا اُن کو موافق نہیں آئی - مجبوراً اپنے مربی سے اجازت لیکر دلی واپس آگئے - یہاں قسمت سے اُن کو ایسا مربی مل گیا جو تمام مربیوں سے زائد قدردان، سخن شناس، اور فیاض تھا، یعنی شہنشاہ کا بڑا بیٹا سلطان محمد جو بعد کو خان شہید کے نام سے موسوم ہوا -

اس زمانے کے معیار کے مطابق سلطان محمد اعلیٰ ترین شہزادہ تھا - بہادر، بااخلاق اور مہذب تھا - کبھی نامناسب کلمہ زبان پر نہیں لایا - میخوشی میں کبھی بےاعتدالی نہیں کی - سرکاری ملازموں کا جلسہ ہو، یا شاعروں اور صوفیوں کی مجلس، اس سے بہتر صدر مجلس کوئی نہیں بن سکتا تھا - وہ گھنٹوں ایک ہی نشست سے بیٹھا رہتا - اور حرکات و سکنات سے ذرا بھی تکان کا اظہار نہ ہونے دیتا - بہت سخن‌شناس شخص تھا - فنون لطیفہ کا قدردان تھا - اس کی بیاض میں تقریباً تین ہزار اشعار ہیں [۷] جن کو پڑھ کر مشہور نقادان سخن نے شہزادے کے ذوق انتخاب اور وسعت نظر کی داد دی ہے - شہنشاہ نے اپنے جان سے زائد پیارے فرزند کے سپرد وہ کام کیا جو اس زمانے میں سب سے زائد اہم اور مشکل تھا، یعنی سرحد کی حفاظت - نصف صدی سے کچھ اوپر منگولی طوفان ہندوستان کی مغربی سرحد پر منڈلا رہا تھا اور ہر لمحہ یہی خطرہ رہتا کہ اب پہٹ پڑے گا - حملہ‌آوروں کے نام سے ہندوستان کے قریوں اور شہروں میں سنسنی پھیل جاتی تھی - یہ چیونٹیوں اور ٹڈیوں کے دل کی طرح آتے، اور جہاں سے گذر جاتے وہ جگہ تباہ اور ویران ہو جاتی تھی - دلی کی فتح دنوں کا کام معلوم ہوتی تھی، کیونکہ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان فاتح بربریوں کا مقابلہ کرے - اس وقت بلبن کے شیردل چچازاد بھائی نے بہت جوانمردی دکھائی، اور پنجاب کی حفاظت کرکے حکومت کی بہت بڑی خدمت کی -

---

[۷] یہ بیاض عجیب و غریب کتاب ہے - شاہزادے کی موت کے بعد سلطان بلبن نے یہ اپنے منشی بوعلی کو عنایت کردی (از شعرالعجم) ان سے امیر خسرو کو ہاتھ لگی -

لیکن بلبن نے اپنی ابتدائی حکومت کے زمانے میں حسد کے مارے شیرخاں
کو زہر دے دیا تھا، جس سے سرحد بالکل غیر محفوظ ہوگئی تھی - لیکن
سلطان محمد نے شیرخاں کی جگہ لی، اور ایسا انتظام کیا کہ لوگوں کو
اُس پر بھروسا ہوگیا - اس کا ملتان کا دربار فارسی‌داں دنیا میں مشہور
تھا - سلطان محمد کی مجلس میں علما و شعرا کا مجمع رہتا تھا -
اُس کے سامنے اس کے ندما شاہنامہ، دیوان سنائی و خاقانی، اور خمسۂ نظامی
پڑھتے، اور مختلف شعرا کی خوبیوں پر مباحثہ کیا کرتے تھے- ۱۲۸۰ع میں
جب سلطان محمد صوبۂ پنجاب و صوبۂ سندھ کی مالگذاری لے کر دلی آیا
تو خسرو سے ملاقات ہوئی وہ ان کو ساتھ لیتا گیا - پانچ برس تک امیر خسرو
اور امیر حسن ملتان میں اس کی خدمت میں حاضر رہے- سخن‌سنج
شاہزادے نے دونوں کی خوبیوں کا فوراً اندازہ کرلیا اور اُن کو سب ندیموں سے
بڑا مرتبہ عنایت کیا - سب سے زائد مشاہرہ عطا کیا اور اعلی خلعتوں سے
سرفراز کیا- اس عالی ہمت شاہزادے نے خواہش کی تھی کہ امیر خسرو سے بھی
بڑا شاعر اپنے دربار میں بلائے- دو مرتبہ سفر خرچ اور زاد راہ شیخ سعدی
شیرازی کے پاس بھیجا - اور اُن کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی - یہ وعدہ
کیا کہ آپ کے لیے ملتان میں ایک خانقاہ بنوا دوں گا، لیکن سعدی نے
کبرسنی کا عذر کیا اور جواب میں اپنے ہاتھ سے چند غزلیں لکھ کر
بھیج دیں [۸]

فلک ناہنجار کو یہ محفل پسند نہ آئی، اور سلطان محمد مغل
فوج کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا - گویا اس کے باپ کو شیر خاں کے بےگناہ
قتل کرنے کی سزا من‌جانب اللہ مل گئی - ایتمار نامی ایک مغل جنرل
نے تیں ہزار فوج سے پنجاب پر چڑھائی کی - سلطان محمد اُس کے مقابلے

[۸] بدایونی کے بیان کے مطابق شیخ سعدی نے شہزادے کی خدمت
میں امیر خسرو کی پر زور سفارش کی اور بے انتہا تعریف کی - یہ بیان
صحیح ہو یا غلط مگر برنی اس کا مطلق ذکر نہیں کرتا -

کے لیے بڑھا - مگر اس کو عجیب دھوکا ہوا - مغلوں کی آمد کی جو اطلاع دی گئی تھی اُس میں تیس ہزار تھا جس کو غلطی سے تین ہزار پڑھ لیا - جب لاہور کے نزدیک غنیم کی فوج سے آمنا سامنا ہوا' تب اس کو معلوم ہوا کہ میری مٹھی بھر فوج میدان میں لڑنے کے لیے بالکل ناکافی ہے- اس نے ایک گانوں کی جو راوی کے مشرقی ساحل پر واقع تھا مورچہ‌بندی کی' اور اس میں قلعہ‌بند ہوکر کمک کا انتظار کرنے لگا - ناگہاں دوپہر کو مغلوں نے دریا پار کرکے شاہزادے کے کیمپ پر اچانک حملہ کردیا - اس کو مجبوراً جنگ کرنا پڑی' لیکن اُس کی جرأت' اور پامردی کے باوجود شکست فاش ہوئی - غروب کے قریب شاہزادے کو ایک زخم‌کاری لگا جس سے جانبر نہ ہوسکا -

اِس شہادت کا مختلف مورخوں نے ذکر کیا ہے- برنی لکھتا ہے :

در شہور سنۂ اربع و ثمانین و سمتمائۃ خان ملتان را کہ پسر بزرگ سلطان بلبن و ولی عہد او و پشت و پناہ ملک او بود درمیان لوہور و دیوبالپور با تمر ملعون' کہ سگے شگرف از سگان چنگیز خانی بود' محاربہ و مقاتلہ اُفتاد و از قضا و قدر باری تعالے خان ملتان با امرا و سران و معتبران لشکر دراں محاربہ شہید شد و خرقے بسر بزرگ در ملک بلبن افتاد و بسی سواران کارآمد دران حرب شہادت یافتند و در ملتان از مصیبت عام در ہر خانہ تعزیت داشتند و جامۂ کبود پوشیدند و شور و شغب نوحہ تا آسمان رسانیدند و ازان تاریخ خان ملتان را خان شہید میخواندند و امیر خسرو دران حرب اسیر مغل شدہ بود و بلوعی از دست ایشان رہائی یافت و او در مرثیہ خان شہید دو شعر گفتہ است و ساحریہا کردہ -

امیر حسن سجزی ایک مشہور مرثیے میں بیان کرتے ہیں :

دریں باغ حیرت و بستان حسرت چنار کہ ہیچ گلے بی‌خار نرست - واے از خار خار نرست - اے بسا سبزۂ نورستہ کہ از خزان آفت در مقام لطافت زرد روے ماندہ .... یکے از امثال این تشہیل واقعۂ خسرو ماضی قاآن ملک غازی‌است انار اللہ برہانہ و ثقل بالحسنات میزانہ

روز آدینه سلخ ماہ ذی‌حجہ سنۂ ثلاث و ثمانین و ستمائۃ... ....
آفتاب بہ مصاحبت لشکر اسلام تیغ زنان برآمد و شہزادۂ اعظم' کہ آفتاب
آسمان ملک بود ' نورانیت غزو در غرۂ غراے او لائح و جہد افراط جہاد در ضمیر
منیر او ثابت و راسخ پاے مبارک در رکاب آورد................

فی‌الجملہ آن شاہ دین پناہ کفرکاہ بہ ہمہ قلب سپاہ با این گروہ
گمراہ از نیم‌روز تا شامگاہ غزوے بےاجواز و اکراہ می‌کرد .... ہم در ہمین
این ہنا و در اثناے این آشوب و بلا ناگاہ تیرے از شست قضا بر بال آن شہباز
فضاے غزا رسید و مرغ روح از قفس قالب آنحضرت بچمن جنان و روضۂ رضوان
نقل کرد ' إنا للہ و إنا الیہ راجعون - ہمان زمان پشت دین محمدی
چون دل یتیمان زار بشکست و سد ملت احمدی چون گور غریبان پست
بیفتاد - اعتضادی کہ بازوے مملکت را بود از دست بشد و اعتمادی کہ بیضۂ
اسلام داشت از جاے برفت - راست وقت غروب آفتاب -ماہ عصر آن شاہ کہ
آفتابش زرد شدہ بود بمغرب فنا فرو شد''-

دلی اور ملتان میں شاہزادے کی موت پر آنسو بہائے گئے - سلطان کی
بڑھاپے میں کمر توٹ گئی - دن بھر بچارا دربار میں بیٹھا ملکی کار و بار
دیکھتا ' مگر رات اپنے یوسف کی جوانامرگی پر آٹھ آٹھ آنسو روتے کٹتی -
ہر شخص یہ دیکھتا تھا اور سمجھتا تھا کہ بادشاہ کا وقت بھی قریب آرہا ہے -

امیر خسرو صرف ندیم نہ تھے' بلکہ فوجی افسر بھی تھے- شہزادے کے
ہمراہ رکاب گئے اور مغلوں کے ہاتھوں پڑگئے - مگر قسمت نے یاوری کی
اور اُن کو فرار کا موقع مل گیا - اس قصے کو "دیول رانی خضر خاں" میں
یوں لکھتے ہیں :

در ایامی کہ این نفس بدآموز ... گرفتار مغل شد دور ز امروز
بیابان می بریدم ریگ بر ریگ ... ز بس گرما سرم جوشید چون دیگ
من و بامن چومن تشنہ سوارے ... رسیدیم از رہ اندر جوئبارے
من' ارچہ نفط جانم بود در تاب ' ... ندادم نفط خود را روغن از آب

لبے تر کردم و تر شد جگر هم — سکونت یافت لختے جان درهم
فتاد آن تشنه و زان تشنه‌تر رخش — که بخش جان برد زان آب جان بخش
هم او سیراب شد هم مرکبش سیر — نشد در دادن جان هر دو را دیر

یہ اسی وقت بھاگ کھڑے ہوئے- جب دلی پہنچے تو اُن کی ماں بہت پریشانی اور تشویش میں مبتلا تھیں- اس وقت ان کی جو قلبی حالت ہوئی ہے' شاہزادہٴ شہید کے مرثیے میں من و عن بیان کی ہے - ایک تو واقعات چشم دید تھے' اور دوسرے مہربان اور فیاض آقا کی موت پر دلی صدمہ پہنچا تھا - اِن دونوں باتوں نے مل جل کر مرثیے میں ایسی محاکات' اور درد پیدا کردیا کہ وہ فوراً مقبول ہوگیا - ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک کیمپ اور دربار میں پڑھا گیا - جو سنتا رو دیتا - فی‌الحقیقت یہ مرثیہ شاعری کا در یتیم ہے- وہ دہشت اور سراسیمگی جو مغلوں کی آمد پر ملک میں دوڑ گئی تھی' ملتان سے کوچ کرتے وقت شاہزادے کی وہ خود اعتمادی' مغلوں کا دفعتاً حملہ' چلچلاتی دھوپ میں ہندی سپاہ کا مایوسانہ مقابلہ' باقی ماندہ کا بھاگنے کی ناکام جد و جہد کرنا' بہت ترنم اور سلاست سے بیان کیا ہے- شروع سے آخر تک ایک ناقابل بیان درد طاری ہے- اب تک خسرو کا فارسی کلام صرف تعلیم‌یافتہ طبقے میں رائج تھا - اس مرثیے سے عوام کے کان بھی اُن کے نام سے آشنا ہوگئے -

اس مرثیے کا مختصر انتخاب درج ذیل ہے :

واقعہ است این یا بلا از آسمان آمد پدید
آفت است این یا قیامت در جهان آمد پدید
مجلس یاران پریشان شد چو برگ گل ز باد
برگ‌ریزے گوئی اندر بوستان آمد پدید
بس که آب چشم خلقے شد روان از چارسوے
پنج آب دیگر اندر مولتان آمد پدید

خواستم تا زآتش دل بر زبان آرم سخن

صد زبان آتشینم در دهان آمد پدید

سینهٔ خالی بکندم گریه بگشاد از دو چشم

چون زمین کاویده شد آب روان آمد پدید

تاچه ساعت بد که شاه از مولتان لشکر کشید

تیغ کافر کش برای کشتن کافر کشید

آنچه حاضر بود لشکر لشکری دیگر نجست

زانکه رستم را نشاید منت لشکر کشید

چون خبر کردندش از دشمن بدان قوت که داشت

بےمحابا خشم در سر کرد و رایت برکشید

یک کشش از مولتانش تا بلاهور اوفتاد

یعنی اندر عهد من کافر تواند سر کشید

او درین تدبیر و آگه نه که تقدیر فلک

صفحهٔ تدبیر را خط مشیت درکشید

آن چه ساعت بد که کافر بر سر لشکر رسید

جوق جوق از آب بگذشتند و ناگه در رسید

از خروش کوس و بانگ اسپ و آواز سوار

لرزه در صحرا و دشت و کوهسار انگیختن

آن چه حیرت بود گاه کارزار انداختن

وین چه هیبت بود گاه گیر و دار انگیختن

پردلان در حمله از بهر مخالف سوختن

بیدلان در حیله از بهر فرار انداختن

آسمان اندر تضرع زان فزع برداشتن

آفتاب اندر تیمم زان غبار انگیختن

روز را تاریکی آمد چون بهم بربافتند
زرد شد خورشید چون جنجر به خنجر بافتند
آسمان پر می کند گوئي که بگریزد ز تیر
تیرها بالاے سر زان پر که در پر بافتند
کشتگان افتاده در صحراے از اطراف سر
همچو صورتها که در دیباے اخضر بافتند

اندر آن میدان که فرق از مرد تا نامرد بود
اے بسا کس را که لبها خشک، روها زرد بود

توسنان در خیز و سرهاے سواران می فتاد
مرد را سر می دوید و اسپ را پا می دوید
هر کرا از قوت دل بازو اندر کار بود
راست کرده تیر سوے قلب اعدا می دوید
وانکه از ضعف درونی دست و پا گم کرده بود
گه بسوے آب و گاهے سوے صحرا می دوید
شاه لشکرکش به ترتیب صف و آئین جنگ
می دوانید اشهب اقبال را تا می دوید
پاے پس می برد گردون مو گرفته فتح را
فتح هر چند از ملاعین جانب ما می دوید

روز چون باقي نبود آن آفتاب تخت را
روز باقي بود چیزي کافتاب افتاده بود
دام ماهی شب دل مردم که از دستان دیو
دست جم را خاتم شاهی در آب افتاده بود
فعل این گرگ کهن بنگر که از دست سگان
شیر در زنجیر و فیل اندر طناب افتاده بود
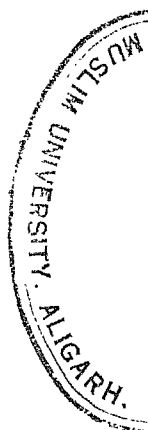
کافر اندر انتظار شب که تا بیرون شود
ناگهان میزان ما را پله دیگرگون شود

دائرات آسمانی گردشے برکار کرد
مرکز اسلام را سرگشته چون پرگار کرد
ذره را دیدی که آب چشمهٔ خورشید برد
سنگ را دیدی که کار لولوے شهوار کرد
گر غبار غیب رفت از پیهر دشمن، عیب نیست
مصطفیٰ از رزم دشمن عزم سوے غار کرد
ور شرارے آمدش از تیر مژگان مرهمت
خشم نمرود آخر ابراهیم را در نار کرد
شیر نر از نیش مورے صد خروش صعب زد
پیل مست از نوک خارے صد فغان زار کرد

بے فزع بود آن قیامت را معین دیده ام
گر قیامت را نشان این است بس من دیده ام

بس که اندر عهد او ماهی و مرغ آسوده بود
ماهیان در آب و مرغان در هوا بگریستند
خلق ماتمان مرد و زن مویه کنان و مو کنان
کو بکو و سو بسو و جا بجا بگریستند
از خروش گریه و بانگ دهل شب کس نخفت
بس که در هر خانهٔ اهل عزا بگریستند
دیده خون افشاند بر گل چون گلوے تشنگان
بس که هرکس کشتگان خویش را بگریستند

وه که دل یکبارگی خون شد براے دوستان
آه از آن جمعیت راحت فزاے دوستان
خفتگان خاک را گر خاستن ممکن بود
عمر باقی میکنم وقف بقاے دوستان

دوستان رفتند - از بہر کہ میگوئی سخن
ختم مطلق کن سخن را از براے دوستان

اس مرثیے میں اپني گرفتاری کا حال' پھر فرار اور راہ کي مشقتوں کي طرف اشارہ کرتے هیں اور آخر میں پراني صحبتوں کو یاد کرکے رنجیدہ هو جاتے هیں -

چو جرعہ خون شہیدان بگل سرشتہ تمام
چو گل گلوے اسیران برشتہ بستہ قطار

دوال بازی سر در شکنجۂ فتراک
شکنجہ کاری گردن برشتہ فشار

مرا اگرچہ سر از آن دوال بازی رست
هنوز نرست گلو زان شکنجۂ آزار

اسیر گشتم و از بیم آنکہ خون ریزد
نمي نماند ز خون در تن نحیف و نزار

چو آب بے سر و پا مي دویدم و چو حباب
هزار آبلہ در پا ز رفتن بسیار

ز رنج سخت شدہ جان چو قبضۂ شمشیر
ز ضعف چوب شدہ تن چو دستۂ چقمار*

همی زدم دم سرد و بدل همي گفتم
گزین بلا نتوانم کہ جان برم زنہار

هزار شکر خداوند را کہ داد خلاص
نہ دل ز تیر شگاف و نہ تن ز تیغ فگار

ولے چہ سود مرا از خلاص آن رشتہ
گسستہ گشت چو سلک مہاجر و انصار

بریخت آن همہ روهاے همچو گل در خاک
ز تند باد حوادث خزانست این نہ بہار

---

*" چقمار" یا " چقمر" بالضم ترکي میں گرز کو کہتے هیں -

شاهزادہ شہید کی فوج کشی، مغلوں سے مقابلہ، اور پھر اُس کی شہادت، امیر خسرو کی گرفتاری اور رہائی، اِن تمام واقعات کا تفصیلی علم، اُن کے زمانے میں عوام و خواص دونوں کو، اور ہمارے زمانے میں تاریخ کے طلبہ کو صرف اِسی مرثیے سے ہوا ہے۔

اس دردناک واقعے کے بعد کچھ عرصے تک خسرو اپنی چھوٹی ماں کے پاس پٹیالی میں رہے۔ اِس اثناء میں دربار کے حالات برا رنگ اختیار کر رہے تھے۔ بلبن کا جانشین اُس کا اٹھارہ سال کا نوجوان پوتا معزالدین کیقباد ہوا جو تخت نشین ہوتے ہی تباہ کن عیاشی میں مبتلا ہوگیا اور سلطنت کا نظم و نسق اُس کے چالاک اور مدبر وزیر نظام‌الدین کے ہاتھوں میں چلا گیا جس کے متعلق اس کے چچا فخرالدین، کوتوال دهلی [9] کا بیان ہے:

"تو بدین صورتے و ہیئتے و شکلے و طریقے، کہ داری بقائے را بمرگ نیاز نتوانی زد و جانب شتالے کلوخ نتوانی فرستاد، خود را از مردان می‌شماری و تمنائے جہانبانی می کنی" ۔

ہر طرف بدنظمی پھیل گئی اور دوربین نظروں کو سلطنت میں انقلاب کے آثار نظر آنے لگے۔ جو اُمرا شہنشاہ کی صحبت میں حاضر رہتے تھے اُن کے دلوں میں سلطان محمد مرحوم سے، جس کے بیٹے کیخسرو کو اُنھوں نے قتل کر ڈالا تھا ذرا محبت نہ تھی۔ جب تک نظام‌الدین بر سر اِقتدار تھا خسرو کو دربار کی رسائی ناممکن نظر آئی ۔ ناچار انھوں نے صوبوں کے پایۂ تخت کی طرف رجوع کیا ۔ امیرعلی سر جاندار [۱۰]، سرکاری مذہبی طبقے کا سب سے پرانا رکن تھا ۔ آنے والے

[9] برنی لکھتا ہے کہ سلطان محمود کا فخرالدین کوتوال سے کسی عورت کے بارے میں جھگڑا ہوگیا تھا ۔ اور یہ صرف فخرالدین کی وجہ سے ہوا تھا کہ بلبن کی وصیت جو کیخسرو کے موافق تھی نظرانداز کردی گئی ۔ اور کیقباد تخت پر بٹھا دیا گیا ۔ خسرو کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا ۔ اِن کا پٹیالی، اور پھر وہاں سے اودھ جانا غالباً نظام‌الدین کی دشمنی کے ڈر سے تھا ۔

[۱۰] 'سرجاندار' "شاہی محافظوں کے دستے کے سردار" کو کہتے تھے۔ خسرو قران السعدین میں اس کو اسی نام سے لکھتے ہیں ۔ شعرالعجم میں اس کو "خان‌جہاں" کے نام سے لکھا ہے۔

خطرناک زمانے کے لیے اُس کا سایۂ عاطفت اِن کے لیے بڑا پشت‌پناہ تھا۔ امیرعلي ابتدا میں شہنشاہ بلبن کا آزاد کردہ غلام تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اُس نے ملک میں بہت اہمیت حاصل کرلی۔ یہ اپنی سخاوت کے لیے مشہور تھا۔ برنی لکھتا ھے:

"و چهارم ملکے از نوادر ملوک در عصر سلطان بلبن ملک امیرعلي سرجاندار، مولا زادۂ سلطان بلبن' بود و او را از بسیاري بخشش حاتم خان گفتندے و مدائح او در دیوان امیر خسرو بسیار است ....و چون مولازادہ کریم و نفیس و غریب و عجیب بود، او را شاہ عہد گویند و حاتم خان خواندند............بخشش و اعطاے ملک امیرعلی سرجاندار همه هزارها بودی چنان که هم امیر خسرو در مدح او گفته:

بحصر گفتم: مانی بدست خان ز کرم
روان بلرزہ در آمد که این مثل نه مراست
گه سخا در و یاقوت مایۂ کف اوست
گه عطا خس و خاشاک مایۂ کف ماست

و آنکه کمتر بودے کم از صد تنکه [۱] نبودے و هر کرا اسپ و جامه دادے بی بدرۂ سیم ندادے و درویشان کوچه گرد را تنکۂ زر و تنکۂ نقرہ دادے و لفظ جیتل از زبان او بیرون نیامدے"

خسرو، حاتم خاں کی ملازمت میں تھے کہ اُن کا اودھ کی گورنری پر تقرر ہوگیا۔ دو برس یہ وھاں رھے۔ اُس کے بعد اِن کو دلي یاد آئي۔ اِن کی ماں بھي دیکھنے کو بیقرار تھیں۔ دوسرے نظام‌الدین کا اِقتدار ختم ہو چکا تھا۔ حاتم خاں نے بخوشي اِن کو اجازت عطا فرمائي۔ اور دو پلیٹیں زر سرخ کي بطور زاد راہ عنایت فرمائیں۔ خسرو کو دلي آئے دو دن بھي نہیں

[۱] تنکه سونے کا، اور چاندی کا سکه تھا، جو اُس زمانے میں مستعمل تھا۔ جیتل تانبے کا سکه تھا۔ برني کے قول کے مطابق خسرو نے حاتم خاں کي تعریف میں ایک نظم 'اسپ نامه' بھي لکھي تھي۔

گزرے تھے کہ معزالدین کیقباد کے حضور سے طلبی کے لیے ایلچی آیا - یہ دربار میں حاضر ہوئے - اور شہنشاہ کے سامنے زمین کو بوسہ دے کر شان میں قصیدہ عرض کیا - شہنشاہ نے ایک ازاربند اور دو توڑے زر سرخ کے عنایت فرمائے - اور اپنی اور اپنے والد بغرا خاں کی ملاقات کا حال لکھنے کی فرمایش کی - اُن کا نام خاص دزباریوں میں درج کیا گیا - انھوں نے اپنی پہلی مثنوی قران السعدین لکھنا شروع کی ' جو چھ ماہ کی لگاتار محنت کے بعد شوال ۶۸۸ھ (اکتوبر ۱۲۸۳ع) میں تمام ہوئی - ادھر خسرو اپنی مثنوی پوری کر رہے تھے اور دوسری طرف بادشاہ کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی - بری لتوں نے جن پر قبضہ پانا اب اختیار سے باہر ہوگیا تھا انجام کار اس کو بستر علالت پر لٹا دیا - اور بائیس برس کے سن میں ایسا موذی مرض لاحق ہوا جس سے جانبر نہ ہوسکا - اور اس کی موت کے ساتھ ترکی امرا کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا - جو محمد غوری کے عہد سے تمام شاہی منصبوں پر ممتاز تھے - ان امرا میں خسرو کے متعدد دوست تھے مگر ان کے زوال سے یہ ذرا متاثر نہ ہوئے - ان کا ہمیشہ قاعدہ رہا کہ ہواو کی طرف جاتے ' اُس کے خلاف کبھی نہیں -

نیا سلطان ' جلال الدین خلجی خسرو کا پرانا قدرداں تھا - کئی برس پہلے ان کو اُن کے باپ کا فوجی منصب ' امیر لاچین ' کا عطا کر چکا تھا - اِس سے ان کو بارہ سو ٹنکے سالانہ ملتا تھا - اور امیر کے خطاب سے بھی سرفراز ہوئے تھے - تخت‌نشین ہوتے ہی جلال الدین نے اُس درجے پر پہنچا دیا جو بعد کو ان کا انتہائی عروج ثابت ہوا - ان کو مصحف دار کا منصب عنایت کیا گیا - [۱۲] اور ندیم خاص بنادیے گئے - بادشاہ نے ان کو وہ خلعت اور سفید کمربند عنایت فرمایا جو اس زمانے میں سلطنت کے بڑے سے بڑے امیر کو دیا جاتا تھا - سلطان جلال الدین کا سن اس زمانے میں ستر برس کا تھا لیکن اس کے باوجود شایستہ صحبت کا بہت شائق تھا - اُس کا کلام [۱۳] تو معمولی ہوتا مگر تنقیدی ذوق اچھا پایا تھا - تمام سلطنت

---

[۱۲] مصحف دار یعنی وہ عہدہ دار جس کے پاس شاہی قرآن رہتا تھا - ندیم (یعنی مصاحب) کا کام یہ تھا کہ ہر وقت حاضر رہے اور بادشاہ کا خالی وقت میں دل بہلاتا رہے - اس کو سلطنت کے اہم امور سے کوئی تعلق نہ تھا - اس عہدے میں مالی منفعت بہ نسبت وقار اور حکومت کے زائد ہوتی تھی -

[۱۳] سلطان کی دو رباعیاں بدایونی نے لکھی ہیں -

میں جو بہتر سے بہتر استادان موسیقی - گویے ' سازندے ' اور رقاصائیں مل سکتی تھیں دربار میں جمع کر لی جاتی تھیں -

" مجلس سلطان مجلسے بود کہ آں چناں جز خواب نتواں دید ....در حالت نوشانوش زدن ساقیان و رقت گفتن و تندی کردن امردان و سرود گفتن و ناز کردن مہوشان، وپا کوفتن و اشکنہ کردن بسیمین بران غزلہائے امیر خسرو بخواندندی و در چنین مجلسے کہ در مجالس دنیا نتوان گفت و نتوان دانست بیدلان جان یافتندی وآشفتگان از سر زندہ شدندی و خوب طبعان بہشت برین مشاہدہ کردندی و نازک مزاجان از سر جان و جہان نخواستندی و دران مجلس کہ حوران را بر در نشانند و پریان را خاکروبی فرمایند ہر کہ نہ مست شود بی خبر بود و ہر کہ نہ دیوانہ گردد سنگ و سنگدل باشد "

خسرو نے ان غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ جو بادشاہ کی محفلوں کے لیے لکھے تھے ' سلطان کی مہموں کی ایک منظوم تاریخ مفتاح الفتوح بھی خدمت میں گزرانی - بدقسمتی سے خسرو کے دو سابق مربیوں ملک چھجو ' اور حاتم خاں نے سلطان کے خلاف بغاوت کی - خسرو نے اس موقع پر صاف آنکھیں پھیر لیں ' اور سلطان کو باغیوں پر فتح حاصل کرنے پر مبارکباد دی - لیکن ان کے نصیب میں ابھی اِس سے زیادہ تلخ گھونٹ پینا لکھا تھا -

۱۶ رمضان ۶۹۵ھ (۱۴ جولائی ۱۲۹۶ع) کو شہنشاہ کے بھتیجے ' اور داماد ملک علاءالدین خلجی نے اپنے چچا کو کرا کے قریب گنگا کے کنارے قتل کردیا - اس قتل کا شمار تاریخ عالم کے انتہائی سفاکانہ قتلوں میں ہے - جلال الدین نے اپنے بھتیجے کو بیٹے کی طرح پالا تھا - اور اُس کے کیمپ میں بلا فوج ساتھ لیے آنے پر آمادہ ہو گیا تھا - جب اس کے قاتل اختیارالدین نے حملہ کیا ' تو بےاختیار پکار اُٹھا " اے علاء بدبخت چہ کر دی " قاتل نے سر گردن پر سے اُتار لیا - اس وقت لبوں پر کلمۂ شہادت جاری تھا -

نئے سلطان نے اِس قتل کو جس نے اُسے تخت دلوایا تھا حق بجانب ثابت کرنے کو مناسب نہ جانا اور معترضین کا منہ اشرفیوں سے بند کر دیا - اور پھر انتظامی اور مالی اصلاحات سے اپنی حکومت مستحکم کرلی - علاءالدین کی تخت نشینی سے ایک

خالص سفاکانہ حکومت (reign of terror) کا آغاز ہو گیا - تمام قدیم باتیں یک قلم نیست و نابود کردی گئیں - اور اُن کی خانہ پری بادشاہ کے عجیب و غریب ذہن کے پیدا کردہ ایجادات سے کی گئی - دوسروں کی طرح خسرو نے بھی اسی پیکر آتشیں کے حضور میں نذر گزرانی - آقا کے مظلومانہ قتل پر انصاف پسندی نے اُن کے سینے میں غم و غصہ کی آگ ضرور بھڑکا دی ہوگی - مگر اُن کی زبان پر ایک لفظ بھی اس کے خلاف نہ آیا - (۱۴) - بحیثیت درباری شاعر کے اُن کا عہدہ بالکل محفوظ تھا - کسی کو اُن کے مرتبے پر اعتراض نہ تھا - علاءالدین نے جہاں دربار کا سامان آرائش بدستور رہنے دیا ' ان کو بھی قبول کرلیا - شاہنشاہ کو علم و شعر سے ذرہ برابر لگاو نہ تھا - برنی الزام دیتا ہے کہ اُس نے خسرو کا مرتبہ نہیں پہچانا - اور کہتا ہے کہ امیر خسرو کا ایسا شاعر اگر محمود یا سنجر کے زمانے میں ہوتا تو اُس کو کہیں کی بادشاہت عنایت ہوتی یا کسی صوبے کی گورنری تفویض کی جاتی اور اعلیٰ اعزاز و مراتب عنایت ہوتے - مگر علاءالدین نے وہ قدر نہ کی جس کے یہ مستحق تھے - صرف ایک ہزار تنکے [۱۵] کے مشاہرے پر اکتفا کی -

خلجی خاندان کے اِس مدبر بادشاہ کا دنیاوی تجربہ کبھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ صوبوں کی گورنری کو شعرا و خوش گویوں کا سامان تفریح بنا دے - وہ سلطنت کے تمام شعبوں کا مالی انتظام درست کرنے میں بےحد منہمک تھا - اُس موقع پر اگر اس نے ایک فرقے کو جو اُس کے نزدیک بالکل بےمنفعت تھا نظرانداز کردیا تو جائے حیرت نہیں - خسرو کی مدح سرائیوں کی ایک وجہ اور تھی - زندگی میں پہلا موقع تھا کہ ان کا ایسے مدبر حکمراں سے سابقہ پڑا جو در حقیقت مستحق ستائش تھا - ملک چھجو اور بغرا خاں - جلال الدین اور سلطان محمود معمولی اہلیت کے انسان تھے -

---

[۱۴] خزائن الفتوح اور دول رانی میں خسرو ' جلال الدین کے قتل کے واقعے کو ٹال گئے ہیں - اغلب یہی ہے کہ علاءالدین کی خواہش سے ایسا کیا - وہ چاہتا تھا کہ یہ واقعہ فراموش کردیا جائے -

[۱۵] " بارہ سو سے کچھ زائد" صحیح ہوگا - سرکاری ملازم کی حیثیت سے خسرو کی یہی تنخواہ تھی -

اور اپنے مرتبے کے لیے پیدائش یا اتفاق کے مرہون منت تھے - علاءالدین سچا ہیرو بن کر اسٹیج پر آیا - خسرو نے بھی شاعرانہ صداقت کو اختیار کیا اور مبالغہ چھوڑ حقیقت بیانی اختیار کی - اور اس طرح نغمہ سنج ہوئے جس کی پہلے نظیر نہیں ملتی - دور وسطی کے اس سب سے بڑے شاعر کے ان قصائد میں جو اس نے اس دور کے سب سے بڑے شہنشاہ کی مدح و ثنا میں نظم کیے ایک خاص تاثیر اور صداقت پائی جاتی ہے -

علاءالدین کا بیس سالہ حکومت کا زمانہ خسرو کا سب سے بڑا تخلیقی دور گذرا ہے - جتنا بادشاہ اپنی اصلاحوں میں منہمک تھا ، اتنا ہی یہ اپنی شاعری میں - ان کی رفتار حیرت انگیز تھی ۔ ۶۹۸ھ سے ۷۰۰ھ (۱۲۹۸ع—۱۳۰۰ع) تک تین سال کی مدت میں انہوں نے اپنی پانچ عشقیہ مثنویاں مطلع الانوار ، مجنون لیلیٰ ، شیرین خسرو ، آئینۂ سکندری اور ہشت بہشت تیار کیں - ان کا مجموعہ پنج گنج کے نام سے موسوم ہے - یہ سب مثنویاں شیخ [۱۹] نظام الدین اولیاء کے نام سے معنون کر کے علاءالدین کی خدمت میں گذرانی گئی تھیں - جب یہ تیسری جلد مجنون لیلیٰ لکھ رہے تھے تو ان کی پیاری ماں اور چھوٹے بھائی کا انتقال ہو گیا چنانچہ لکھتے ہیں :—

امسال دو نور ز اخترم رفت ہم مادر و ہم برادرم رفت
ماتم دو شد و غمم دو افتاد فریاد کہ ماتمم دو افتاد
آن دل کہ دو سوی می گراید گر شد ز میان دو نیم شاید
چون مادر من بزیر خاک است گر خاک بسر کنم چہ باک ست
اے مادر من کجائی آخر رو از چہ نمی نمائی آخر
ہر جا کہ ز پاے تو غباری ست ما را ز بہشت یادگاری ست
مہرے کہ بہ شیر شد فراہم تا جان نرود کجا شود کم
زانجا کہ نوازشت فزون بود گستاخی من ز حد برون بود

[۱۹] موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی چار ذاتیں مانی جاتی ہیں - سید ، مغل ، پٹھان اور ایک چوتھی ذات جو بہت وسیع اور غیر محدود ہے یعنی شیخ - دور وسطیٰ میں لفظ شیخ اونچے پائے کے صوفی یا ولی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا - یہاں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے -

با این خجلی که روسیاهم — عذرت بکدام روے خواهم

در زندگیت ز روے عادت — غافل بدم از چنین سعادت

تا خانه بود ز دولت آباد — قدرش نشناسد آدمی زاد

نعمت به حضور سهل چیز ست — هرگه که ز دست شد عزیز ست

ذات تو که حظ جان من بود — پشت من و پشتبان من بود

رفتی و ز پشت من توان رفت — بےپشت شدم چو پشتبان رفت

نے نے که ترا چو نام زنده است — خود دولت من همان بسنده است

نام تو پناه خویش سازم — تعویذ کلاه خویش سازم

روزے که لب تو در سخن بود — پند تو صلاح کار من بود

امروز هم* به مهر پیوند — خاموشي تو همی دهد پند

یاد آر به حضرت رفیعم — خوشنودی خویش کن شفیعم

دانم که تو در بهشت جاوید — رخشنده تري ز ماه و خورشید

چونست بر تو همسر من — فرزند تو و برادر من

در معرکهٔ اژدها نظیرے — در مستي بادهٔ شیر گیرے

در حمله درست چون پدر شیر — نے همچو من شکسته شمشیر

چون حرف پدر همه ز بر† کرد — هم عزم ولایت دگر ‡ کرد

اے مونس و یاورم غم تو — تا از دل که ز جان خورم غم تو

بے مونس و بےرفیق و بےیار — چوني و چه می کنی در آن غار

بودي ز توان بے ترازو ا — بازوے من و توان بازو

رفتی و توان ز بازوم رفت — نقد شرف از ترازوم رفت

خواهم که به جستنت شتابم — جویم ولے از کجات یابم

فریاد کنم ز جان ناشاد — فریاد که نشنوي تو فریاد

---

* یعني امروز هم مرا - † یعني از بر -

‡ یعني در پیے پدر بآخرت شتافت - ا "بے ترازو" یعني بے اندازه -

هر دم خورم از فسوس خارے   خود نیست چومن فسوس خوارے
هر نیم شبے و صبح گاهے   از حسرت تو برآرم آهے
دانم که بدین شغب‌فزائي   زانجا که تو رفتهٔ نیائي
لیکن چه کنم که ناشکیبم   خود را به بهانه مي فریبم
در سینه نهم ز سوگواري   غمهاے ترا به غمگساري
نام تو به صبر کردن دل   طومار کنم به گردن دل
آیم بتو چون شکسته رائے   خوانم به شکستگی دعائے
روح تو که باد دور از آذر   باشد چو رفیق روح مادر
یا رب که برحمت گنه شوے   از گرد گنه بشوے شان روے
می دار به خلد شان فراهم   نوبت چو به من رسد مرا هم

اگر کوئي شاعر ان سے کم بلند همت کا هوتا تو پانچ عشقیه مثنویان اُس کے لیے بہت کافي هوتیں - اور معمولي همت کا شاعر تو ان کے بعد همت هار دیتا - مگر خسرو کي قوتیں ان تهک نهیں - گویا یه سوچ کر که نقادان سخن کی نظروں میں میں اقلیم شعر هي میں نه محدود ره جاؤں انهوں نے نثرنگاری میں قدم رکها - اور دو کتابیں مختلف ضخامت کي لکهیں - ایک تو علاء الدین کي مهموں کی پتلي سي تاریخ خزائن الفتوح هے - اور دوسري پانچ جلدوں کي بہت ضخیم تصنیف اعجاز خسروي هے - یه فن معاني و بیان میں هے - علاءالدین کے عهد حکومت کے آخر میں امیر خسرو کي دوسري اور بهترین تاریخي مثنوی دیول دیوی و خضر خان تیار هوئي جس کا انجام بعد کے واقعات نے حزنیه کردیا -

کوئي سوانح نویس اُس اثر سے انکار نهیں کرسکتا جو شیخ نظام الدین اولیا کا خسرو پر پڑا - اگرچه دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تها لیکن اس پر بهي ایک دوسرے کي سچے دل سے قدر کرتے تهے - دونوں کي زندگي کے ابتدائي دور میں بعد المشرقین هے - شیخ نظام الدین اولیا کے دادا خواجه سید علي بخارا سے ترک وطن کرکے هندوستان آئے ' اور بدایوں میں سکونت اختیار کي - ۱۲۳۸ع میں وهاں شیخ نظام الدین کی ولادت هوئي - ابهی یه بچه هي تهے که اِن کے والد خواجه احمد

مرض الموت میں مبتلا ہوئے - ان کی ماں ' بی بی زلیخا نے خواب میں دیکھا جیسے کوئی پوچھ رہا ہے کہ " کس کو لوگی ' شوہر کو یا بیٹے کو " بی بی زلیخا نے ہندوستانی ماؤں کی مامتا سے مجبور ہوکر بچے کی جان کو شوہر کی جان پر ترجیح دی - قسمت کا لکھا پیش آیا اور سید احمد کا کچھ ہی دن کے بعد انتقال ہوگیا - بی بی زلیخا بہت پارسا بی بی تھیں - اور ان کی طبیعت نے لڑکے پر بہت گہرا اثر ڈالا - ان کو بہت چاہتی تھیں اور باوجود انتہائی ناداری کے ان کو تعلیم دلائی - ماں اور بچے کے گذران کی کوئی سبیل نہ تھی - سوائے اس کے کہ ہمسائے بے طلب کچھ اپنی مرضی سے دے دیتے - گھر کی ماما فاقوں سے تنگ آکر بھاگ گئی - شیخ نے جو اپنی محنت کے لیے مشہور ہوگئے تھے بدایوں میں جتنی تحصیل علم کی جا سکتی تھی کرلی اور سترہ برس کے سن میں ماں اور بہن کو لےکر تکمیل تعلیم کی نیت سے دلی چلے آئے - یہ عظیم الشان پایۂ تخت اُس وقت بڑے بڑے علما اور فضلا کا مرکز تھا - تعلیم تقریباً مفت تھی - اور شیخ کے ایسے ذہین طالب علم کی بڑے سے بڑے مدرس کے یہاں رسائی ممکن تھی - ان کے خاص استاد مولانا کمال الدین زیدی اپنی آزاد منشی کے لیے مشہور تھے - سلطان غیاث الدین نے جب مولانا کی پارسائی کا حال سنا تو ان کو دربار میں بلایا اور امام اعلی کا عہدہ پیش کیا - مولانا نے جواب دیا - ہمارے پاس صرف ہماری نماز باقی رہ جاتی ہے - کیا سلطان چاہتا ہے کہ اس کو بھی ہم سے چھین لے - سلطان بالکل لاجواب ہوگیا - اور تھوڑی بہت معذرت کرکے رخصت کیا - ان کے ایسے عالم سے شیخ نے بیس برس کے سن میں سند تکمیل حاصل کی اور غالباً صاحبان جاہ و ثروت کی طرف سے وہ بےتوجہی جو شیخ کی زندگی کی امتیازی خصوصیت رہی ' انہیں کا فیضان صحبت تھا -

ابھی تک شیخ کی تعلیم درس رائج کے مطابق ہوتی تھی ' مگر ان کا رجحان طبع ' تصوف کی طرف تھا - اور اکثر اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے کہ تم لوگوں کی علمی مباحث کی فضا میں میں زیادہ عرصے تک نہیں رہ سکتا - بارہ برس کے سن میں انھوں نے ایک بار کسی قوال سے شیخ فرید گنج شکر اجودھنی کی پارسائی کی تعریف

سنی اور اسی زمانے سے ان کو ایک خاصی عقیدت ہوگئی ' جو برابر ترقی‌پذیر رہی - اپنی تعلیم ختم کرتے ہی ان کی زیارت کو گئے - بابا فرید کے سامنے پہنچ کر یہ اتنے مرعوب ہو گئے کہ زبان سے کچھ نہ نکل سکا - بابا فرید نے یہ فرمایا کہ " جو پہلی بار آتا ہے اتنا ہی خوفزدہ ہو جاتا ہے "

بابا فرید نے ان کا سر مونڈا اور اپنے مریدوں میں داخل کیا - ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا - جب ان کے کپڑے اتنے میلے ہو جاتے کہ پہننے کے قابل نہ رہتے تو ایک نیک دل بی‌بی دھو دیا کرتی تھیں - انھوں نے جب رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو بابا فرید نے ایک اشرفی دی - جو ان کے گھر کی کل دولت تھی - جب رات کو شیخ کو معلوم ہوا کہ آج میرے پیر کے گھر میں فاقہ ہے تو اس باعقیدت مرید نے وہ اشرفی لاکر پیر کے قدموں پر ڈال‌دی - بابا فرید نے بہت شکریے کے ساتھ قبول کرلی - اور فرمایا میں نے دعا کی ہے کہ خدا تم کو دنیاوی جاہ و حشم بھی تھوڑا بہت عطا فرمائے - پھر ان پر نظر توجہ کی - جب چہرے پر کچھ پریشانی کے آثار دیکھے تو بولے پریشان نہ ہو - دنیا تمہارے لیے فتنہ نہ ہوگی - روشن‌ضمیر پیر کو معلوم ہوگیا تھا کہ اس کا جانشین کس مرتبے کو پہنچنے والا ہے -

دنیا کے تمام مذاہب میں کچھ نمایاں لوگ گزرے ہیں جن کی زندگی نام ہے دنیا سے مسلسل جنگ کا - ان لوگوں کا اسی کشمکش سے سابقہ پڑا جو کہا جاتا ہے کہ ضمیر ونفس امارہ میں مسلسل جاری رہتی ہے ' اور وہ لوگ انجام‌کار فتحیاب ہوئے - مگر شیخ نظام الدین ان لوگوں میں نہ تھے - نہ تو ان کے متعلق یہ سنا ہے کہ انھوں نے غیر معمولی تعداد میں نمازیں پڑھیں - اور نہ یہ کہ بابا فرید کی طرح کنویں میں الٹے لٹکے - یا اتنے فاقے کیے ہوں کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے ہوں - ان کے یہاں سخت ریاضت کا پتا نہیں - کیونکہ ان کو اس کی ضرورت نہ تھی - انھوں نے نفس امارہ کو ریاضت یا نفس‌کشی سے نہیں مارا ' جس کے عوض میں اکثر کوئی مہلک بیماری سی ہو جاتی ہے - بلکہ انھوں نے اپنی قلبی مسرت سے اس پر قبضہ کرلیا - انھوں نے نہ تو شادی کی ' اور نہ ذاتی مکان رکھا - بیان کیا جاتا ہے کہ رات رات بھر

مراقبے کی وجہ سے ان کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں - جیسے ہلکا سا خمار ہو - اور ایک ناقابل بیان مسرت چہرے سے مترشح ہوتی تھی - ان کی روزمرہ کی زندگی میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو اس مسرت کا سبب ہوتی -

بابا فرید نے ان کو حکم دیا تھا کہ "میں نے تم کو ہندوستان کی روحانی سلطنت دے‌دی' جاؤ اور اس پر قبضہ کرو" لیکن دلی آنے کے بعد یہ بہت عرصے تک اِسی تذبذب میں رہے کہ ان کو دارالسلطنت میں رہنا چاہیے - یا صوبے کا کوئی شہر قیام کے لیے انتخاب کرنا چاہیے - صرف یہی ایک کشمکش معلوم ہوتی ہے جس نے اُن کے دماغ میں جگہ پائی - آخرکار انھوں نے دار السلطنت میں رہ کر اپنے فرائض مردانہ وار انجام دینے کا تہیہ کرلیا - یہاں تقریبا تیس سال بےحد عسرت میں گزرے - پہلے انھوں نے خسرو کے نانا عماد الملک المعروف بہ ' راوتِ عرض ' کے یہاں قیام کیا - مگر دو سال کے بعد ان کے لڑکے واپس آگئے اور انھوں نے فوراً مکان خالی کرالیا - انھوں نے پاس کی ایک مسجد میں پناہ لی - اسی رات عماد الملک کے مکان میں آگ لگ گئی' اور جل کر خاک ہوگیا - اس کے بعد ' غیاث پور میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے قبل ایک محلے سے دوسرے محلے میں منتقل ہوتے رہے - ان کی بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور نہ انھوں نے کسی سے مانگنا گوارا کیا - بعد کو شیخ کہا کرتے تھے کہ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں خربوزہ ' ایک جیتال میں ملتا تھا - لیکن پوری فصل گزر گئی اور میں ایک قاش بھی نہ چکھ سکا - ایک بار ایک دن اور ایک رات بے آب و دانہ گزر گئے - دوسری رات بھی آدھی گزر گئی جب کچھ کھانے کو ملا -

ایک جیتال میں دو سیر روٹیاں ملتی تھیں - لیکن غربت کی وجہ سے میں بازار سے کچھ نہیں خرید سکتا تھا - میری ماں' بہن اور گھرانے کے دوسرے لوگ میرے شریک حال تھے - ایک بار ہم لوگوں پر تین دن کڑاکے فاقے کے گزرگئے - تب کسی شخص نے دروازے پر دستک دی - اور برتن میں کھچڑی دے گیا - مجھے زندگی بھر کسی چیز میں وہ مزا نہ آیا جو اس وقت اس سادی کھچڑی میں آیا تھا - جب گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہوتا تو میری ماں کہا کرتی تھیں کہ آج ہم لوگ خدا کے مہمان ہیں - اِن الفاظ کو سن کر ایک ناقابل بیان مسرت میرے دل میں موجزن ہو جاتی تھی - ایک بار میں

نے خواب میں دیکھا کہ شیخ منجیب الدین متوکل برادر شیخ فرید میرے مکان میں آئے ھیں - اور میں نے اپنی ماں سے کہا کہ ان کے کھانے کو کچھ لاؤ - انہوں نے جواب دیا کہ " گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ھے " اس کے بعد ھی میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ حضور نبی کریم مع صحابۂ کرام کے آ رھے ھیں - میں نے قدم مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ غربت کدے پر تشریف لے چلیے - فرمایا " کیوں ؟ " میں نے عرض کیا جو کچھ میسر آئے گا حضور کے سامنے اور حضور کے اصحاب کے سامنے رکھ دوں گا - انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ابھی تو تمہاری ماں نے کہا تھا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ھے - مجھے یہ سن کر بےحد خجالت ھوئی - برگزیدہ ماں نے تمام مصائب ایسے بیٹے کے ساتھ جس کی روحانی طمانیت کو کوئی دنیاوی مصیبت نہیں متزلزل کرسکتی تھی برداشت کیے - مگر مسلسل فاقوں نے ان کی صحت پر ناگوار اثر ڈالا - جب مرض الموت میں گرفتار تھیں اور شیخ نے نیا چاند دیکھ کر اپنا سر ان کے قدموں پر رکھا تو انہوں نے پوچھا " آئندہ مہینے میں تم کس کے قدم چوموگے ' نظام ؟ " بیٹے نے جواب دیا "اماں تم مجھے کس کے سپرد کروگی " صبح ھونے سے کچھ قبل انہوں نے بیٹے کو بستر کے پاس بلایا اور ان کا ھاتھ پکڑ کر کہا "اے اللہ ! اپنے بیٹے کو تیرے سپرد کرتی ھوں " یہ الفاظ لبوں پر تھے اور پارسا بی‌بی جنت کو سدھاریں -

اسی اثنا میں شیخ کی شہرت دور دور پھیل چکی تھی - اور جو شخص ان سے ملتا - اسی مسرت سے جو ھر وقت اُن کے حرکات و سکنات سے ھویدا ھوتی تھی مسحور ھوجاتا - ۱۲۶۷ ع میں شیخ فرید نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا - اور اپنی وفات سے کچھ قبل ' چوغہ ' عصا اور جانماز شیخ نظام الدین کے پاس بھجوادی - اگرچہ ان کے اِس فعل سے ان کے لڑکے جو اس نفع بخش جگہ سے امیدوار تھے ناراض ھوگیے - سلطان جلال الدین نے شیخ کو ان کے اخراجات کے لیے ایک گاؤں نذر دینا چاھا - مریدین جو خدمت میں حاضر رھتے تھے عرض کرنے لگے ھم لوگوں سے جتنا برداشت ھو سکتا تھا برداشت کرچکے مگر ان کے اصرار کے باوجود شیخ نے گاؤں قبول کرنے سے انکار کردیا - پھر سلطان نے حاضر خدمت ھونے کی اِجازت چاھی - مگر اِس کو بھی منظور نہیں کیا - پھر سلطان نے بلا اطلاع دیے دفعتاً پہنچ جانے کا ارادہ کیا ' شیخ کو امیر خسرو سے اِس کی اطلاع پہنچ گئی -

اور وہ ملاقات سے بچنے کے لیے اجودھن چلے گئے - شیخ نے سیاسی جھگڑوں سے محفوظ رہنے کا تہیہ کر لیا تھا - کوئی چیز ان کے اس ارادے کو نہیں توڑ سکتی تھی - لیکن جس پیر کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لیے کھلا ہو ' اس کے لیے یہ غیر ممکن تھا کہ ارباب سیاست سے محفوظ رہے -

عہد علائی کی ابتدا میں خانقاہ غیاث پور میں امرا آنے لگے تھے - شیخ کو ان کی آمد ناگوار ہوتی تھی مگر ملنے سے انکار نہیں کرتے تھے - رفتہ رفتہ ان لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی - علاءالدین کی حکومت کے آخر زمانہ تک شیخ کی شہرت کمال کو پہنچ گئی - ولی عہد سلطنت خضر خاں کو شیخ کا بہت عقیدہ تھا - شاہی خاندان کے تمام افراد ' اور شاہی محل کے تمام ملازمین حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے - صرف شہنشاہ اس سے مستثنیٰ تھا - بارنا برنی لکھتا ھے [۱۷]

سلطان علاءالدین را چہ دل توان گفت و او را تا چہ حد بے التفات و بےباک تصور توان کرد کہ از ھزار دو ھزار فرسنگ مسافران و طالبان در آرزوے ملاقات شیخ نظام الدین می رسیدند و پیر و جوان و خورد و بزرگ و عالم و جاھل - و عاقل و نادان شہر دھلی بصد حیل و تدبیر خود را منظور نظر شیخ نظام الدین می گردانیدند و سلطان

---

[۱۷] برنی کے مقابل میں امیر خسرو کا یہ دعویٰ کہ " شہنشاہ نے شیخ کی زیارت کا ارادہ کیا - لیکن انھوں نے انکار کیا اور کہا جیسے ھی بادشاہ ایک دروازے سے داخل ہوگا میں دوسرے سے نکل جاؤں گا " نہیں تسلیم کیا جاسکتا ھے - علاءالدین نے جس کو یقین تھا کہ مذہبی طبقہ بھی سیاسی اقتدار کا خواھش‌مند ہوتا ھے (متعدد واقعات اس کے اِس خیال کی تائید کرتے ہیں) شیخ کو ایک خط لکھا تھا جس میں تمام معاملات میں ان کی راے و مشورے پر کاربند ہونے کا وعدہ کیا تھا - مگر شیخ کو جب خضر خاں نے خط دیا تو انھوں نے کھولا تک نہیں - اور فرمایا کہ " ھم درویشوں کو امور سلطنت سے کیا واسطہ ؟ میں ایک گوشے میں شہر سے دور رھتا ہوں - اور سلطان اور عامۂ مسلمین کے لیے دعاے خیر کرتا رھتا ہوں - اگر بادشاہ کو یہ نہیں پسند ھے تو مجھ سے کہ دے - میں چلا جاؤں گا ' اور دوسری جگہ رہوں گا - خدا کی زمین بہت وسیع ھے " جواب سے علاءالدین کی تسلی ہوگئی کہ شیخ سیاسی اقتدار کے خواھش‌مند نہیں ہیں -

علاءالدین را گہے در دل نگزشتہ کہ خود بر شیخ آید و یا شیخ را بر خود طلبد و ملاقات کند و در کدام وہم در آید کہ تارۂ عالم بود -

درحقیقت شیخ نظام الدین اولیا اور شہنشاہ علاءالدین دونوں کی اپنی اپنی جگہ پر اتنی عظیم‌الشان شخصیتیں تھیں کہ ایک دوسرے کا غائبانہ ھی احترام کر سکتے تھے - سلطان شروع ھی سے اولیا کی طرف سے اتنی ھی اظہار بےتوجہی کرتا تھا جتنی شیخ ارباب حکومت کی طرف سے - جس کو اپنے بانکے طرز ادا میں کہتا تھا کہ میں نے تہیہ کرلیا ھے کہ اپنا سر صرف خدا کے سامنے جھکاؤں گا -

ملفوظات امیر خسرو اور امیر حسین ' اور سیرالاولیاء کے طفیل ہم کو شیخ نظام الدین اور اُن کی شہرت و اثر کا درجہ جتنا معلوم ھے اتنا دور وسطیٰ کی کسی شخصیت کے متعلق نہیں -

آپ نے اپنی مریدی کا دروازہ ھرکس و ناکس کے لیے کھول رکھا تھا - اور ھر قسم کے گناہ گاروں کو آنے کی اجازت تھی - دوپہر سے قبل سہ‌پہر ' اور شام کا وقت اُن لوگوں کے لیے مقرر تھا جو مشورے کے لیے حاضر ہوں - مگر اس کے علاوہ بھی ان سے ملاقات ھو سکتی تھی - شاذ و نادر کسی کو انتظار کرنا پڑتا تھا - شیخ کا کام لوگوں کو پاکبازی اور بھلائی کی ھدایت کرنا تھا - اور یہ فرض انہوں نے جس توجہ سے ساری عمر انجام دیا انہیں کا حق تھا - علما و مشائخ ' اکابر و اعاظم وضیع و شریف ھر طرح کے لوگ ان کی خانقاہ میں آتے ' اور یہ اُن کی سمجھ اور قابلیت کے موافق گفتگو کرتے اور ھر ایک کے دل پر خواہ وہ کسی رتبے کا ھوتا فوراً قبضہ کر لیتے -

سوائے ایک پتلی سی کتاب ملفوظات کے شیخ نے اور کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں کیا ان کے مریدوں کی چند کتابیں جو دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئی ھیں اس پرکشش اور نادر ھستی کے متعلق بہت کم پتا دیتی ھیں - کسی ھندی مسلمان نے اپنے معاصرین پر اتنا گہرا اثر نہیں ڈالا - آپ فرمایا کرتے تھے کہ " قیامت کے بازار میں تالیف قلوب اور مسلمانوں کے دلوں کو راحت و آسائش پہنچانے سے زائد قیمتی اور مروج کوئی اسباب نہ ھوگا " اگرچہ وہ ھر ایک سے مل جل کر باتیں کرتے ' پھر بھی لوگوں کو ایسا معلوم ھوتا تھا کہ شیخ کا دل خدا کی طرف متوجہ ھے گویا کہ وہ ان کو دیکھ رھا ھے -

تصوف کی تاریخیں لایعنی کرامتوں سے بھری ہوئی ہیں - مگر شیخ نظام الدین اس قسم کی ادنیٰ کرامتیں دکھانے والے صوفی نہ تھے - نہ تو وہ ہوا میں اڑے - اور نہ پاؤں کو جنبش دیے بغیر پانی پر چلے - اُن کی عظمت کا راز اُن کا محبت بھرا دل تھا ' اور ان کی کرامتیں ان کی ہمدرد اور پرخلوص روح میں پوشیدہ تھیں - ایک نگاہ میں دل کا حال معلوم کر لیتے اور ایسی بات کہتے جس سے مصیبت‌زدہ دل کو فوراً تسکین ہو جاتی - علاء الدین کا دستور تھا کہ جب خواجہ مبارک گوپاموی دربار میں حاضر ہوتے تو ان کو اعزاز میں خلعت عطا کرتا - ایک موقع پر اس نے ان کو صرف سفید چادر عطا کی - خواجہ مبارک ' بادشاہ کے برتاؤ میں ایسی تبدیلی پر افسردہ خاطر ہوکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے - شیخ نے بہت مہربانی سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا - " بادشاہ کا عطیہ قابل قدر ہے - چاہے ایک اشرفی ہو یا ایک کوڑی " خواجہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ سن کر میرے دل کا بوجھ اٹھ گیا اور میں خوشی سے لبریز ہو گیا -

ایک نوجوان جس کو شیخ پر عقیدہ نہ تھا اپنے دوستوں کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا - یہ لوگ نذر دینے مٹھائی لائے تھے ' اس شخص نے ایک پڑیا میں بالو باندھ کر اس میں رکھ دی - جب نوکر اُن چیزوں کو اٹھانے آیا ' تو شیخ نے فرمایا کہ " پڑیا کو یہیں رہنے دو ' یہ بالو صرف میرے دیکھنے کے لیے ہے " وہ شخص تھرا گیا اور اُس نے جرم کا اقرار کر لیا - لیکن شیخ نے اس کو لباس عطا فرمایا اور تسلی دی - اور فرمایا اگر تم کو کھانے یا روپیے کی ضرورت ہو تو بتاؤ - جو کچھ میں کر سکتا ہوں کروں گا -

اپنی عسرت کے زمانے میں دو دن کے فاقے کے بعد شیخ روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھانے بیٹھے تھے کہ فقیر گزرا - اس نے خیال کیا کہ شیخ کھانا ختم کر چکے ہیں ' اور دسترخوان پر سے ٹکڑے اٹھا کر چلتا بنا - شیخ خندہ روئی سے مسکرا دیے ' اور بولے ہماری مصیبتیں خدا کو بھاگئیں - اس لیے وہ اور امتحان کرنا چاہتا ہے -

ایک شخص نے شیخ اور ان کے مریدوں کی فاقہ مستیاں دیکھ کر کیمیا سکھانے کا ارادہ کیا ' مگر شیخ نے منظور نہیں کیا ' رنگوں کا ملانا عیسائیوں کا کام ہے - اور سونا تیار کرنا یہودیوں کا - ہم مسلمانوں کو نہ اِس دنیا کی تمنا ہے اور نہ اُس دنیا کی - ہم صرف خدا کے لیے زندہ رہتے ہیں -

یہ باتیں کرامتیں کہی جا سکتی ہیں بشرطیکہ کرامتوں سے وہ فوق الفطرت امور نہ مراد ہوں جو اخلاقی نقطۂ نگاہ سے فضول اور لایعنی ہوتے ہیں - در حقیقت شیخ کی زندگی ایسی تھی کہ غالباً آئندہ نفسیات کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوگا کہ فطرت انسانی کا بنیادی اصول ہے معرفت ' نروان ' یا مسرت کامل - جو دنیاوی زندگی سے جنگ و جدل کرنے یا اس کی طرف غیر متوجہ رہنے سے نہیں حاصل ہو سکتی - بلکہ کائنات سے اتنی عالمگیر محبت کرنے سے کہ نفس خود کائنات میں جذب ہو جائے - تاکہ امتیاز ما و تو کو توڑ کر روح انسانی ' وجود مطلق میں فنا ہو جائے - بحیثیت خالق کے باری تعالیٰ کا ادراک اتنا زیادہ نہیں ہوتا ہے جتنا بحیثیت موجودات کے - یہ ادراک انتزاعی نہیں ہوتا بلکہ حیوانات و جمادات کی صورت میں ہوتا ہے جن کے ماحول میں ہم پرورش پاتے ہیں - معرفت ایسی چیز نہیں جو ماورائے عالم تلاش کی جائے - بلکہ ایسی چیز ہے جو یا تو اسی عالم میں اور اسی زندگی میں مختلف درجات طے کرکے حاصل ہو سکتی ہے ' یا پھر ناممکن الحصول ہے - شیخ فرید کی تلقین ' زندگی بھر مرید کی ہدایت کرتی تھی اُن کے لیے دنیا کبھی فتنہ نہ ہوسکی - آخر عمر میں ہر جگہ سے شیخ نظام الدین کی خدمت میں نذرانے آنے لگے تھے - یہ ان کو بہت فراخ دلی سے احتیاج‌مندوں میں تقسیم کر دیتے - اور ہر جمعہ کو نماز کو جانے سے قبل باورچی‌خانے اور نعمت خانے میں جو کچھ ہوتا سب تقسیم کرادیتے - مہمانوں کے سامنے مرغن کھانے رکھے جاتے - مگر شیخ جو عموماً روزہ رکھتے تھے ' روٹی اور سادی ترکاری سے افطار کرتے - آپ کے ایک مرید نے اس نفس‌کشی کو ناپسند کیا تو آپ نے فرمایا - " مسجدوں میں اور بازار میں دکانوں کے سامنے اتنے غریب اور مصیبت‌زدہ جب بھوکے پڑے رہتے ہیں تو میرے لیے نا ممکن ہے کہ ایک نوالہ بھی حلق سے اتر سکے -

غذا کی طرح ان کی نیند بھی بہت مختصر ہوتی تھی - تھوڑی دیر دوپہر کو ' اور تھوڑی دیر آدھی رات سے قبل آرام لیتے مگر آدھی رات کے بعد جب ساری دنیا سوتی ہوتی ' یہ اٹھتے' خواب‌گاہ کا دروازہ مقفل کرتے ' اور پھر صبح کا مراقبہ ' مطالعہ ' نماز ' اور اشعار خوانی میں مشغول رہتے - آپ فرماتے ہیں -

تنہا منم و شب چراغے   مونس شدہ تا پگاہ روزم

گاهش ز آه سرد بکشم گاه از تف سینه بر فروزم

یہ وقت بہت دلچسپی سے کٹتا تھا - ایک بار شیخ نے فرمایا - آج رات میرے دل میں ایک بیت نازل ہوئی جس سے مجھے بہت سکون اور مسرت حاصل ہوئی -

گر بمانیم زندہ می دوزیم دامنے کز فراق چاک شدہ
ورنہ مانیم عذر ما بپذیر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جب اس بیت کو میں نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو دفعتاً میں نے ایک عورت کو دیکھا جو میرے پاس آئی اور بصد عجز و انکسار بولی کہ " اس کو نہ پڑھو " قاضی شرف الدین نے پوچھا " یہ بات آپ نے خواب میں دیکھی ھے - یا واقعہ ھے ؟ آپ نے فرمایا - میں نے ایسے ھی دیکھا جیسے تم کو دیکھ رہا ھوں - قاضی شرف الدین نے عرض کیا حضرت یہ دنیا تھی جو آپ کے پاس سے جانا نہیں چاھتی - آپ نے فرمایا - " حقیقت میں بات یہی ھے "

امیر خسرو شیخ کے حلقۂ ارادت میں اس وقت داخل ہوئے جب ان کا سن آٹھ برس کا تھا - اور کہا جاتا ھے کہ شیخ نے شاعری کی طرف ان کی رغبت دیکھ کر ' ان کی ھمت افزائی کی - لیکن خسرو اپنی عملی زندگی کی ابتدا میں اکثر دہلی سے باھر رھے - قران السعدین کی حمد و نعت میں جو انھوں نے کیقباد کی حکومت کے آخری ایام میں لکھی تھی شیخ کا کچھ تذکرہ نہیں ھے - شیخ کے اور امیر خسرو کے تعلقات غالباً جلال الدین کے عہد حکومت سے شروع ہوئے اور دن بدن گہرے ھوتے گئے - اگرچہ دونوں کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق ھونے کے باوجود رشتۂ الفت بہت مضبوط تھا - خسرو کی ساری زندگی اگرچہ درباری فضا میں کٹی تھی ' مگر اُن کا قلبی رجحان تصوف کی طرح تھا - دوسری طرف شیخ جو خود بھی اکثر اعلیٰ پایہ کی رباعیاں کہا کرتے تھے خسرو کی گرمی کلام پر جو ان کی ترکی نژادی کا نتیجہ تھی فریفتہ ھو گئے - جوانی کی امنگوں کے ختم ھوتے ھی خسرو میں پارسائی و ارادتمندی آگئی - اور شیخ نے جن کی رواداری غیر محدود تھی ' اس درباری کو خوش آمدید کہا ' خانقاہ کی ساکن فضا میں ' اُن کے آنے سے ' ایک مختلف دنیا کی نسیم خوش گوار آئی - کھانے کے بعد

اکثر شیخ تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے ' اور اپنا برف پیری سے سفید سر ' مسرت آمیز انداز سے ہلاکر پوچھتے - " خسرو کیا خبریں ہیں " - خسرو جن کو شہر کی خبریں نوک زبان رہتی تھیں - اپنے پیر کو سماجی دنیا کے حالات بیان کرکے محظوظ کرتے - اور یہ ایک اجنبی کی طرح بہت دلچسپی' اور ہمدردی سے سنا کرتے تھے - دوسری طرف خسرو کو شیخ کی روحانی ضیا باری اور عظمت نے مسخر کر لیا تھا - خسرو کو زندگی بھر ایک تمنا رہی جس نے ان کو بیتاب رکھا - وہ یہ کہ قلم سے کوئی ایسا شاہکار نکل جائے جو اُن کو زندۂ جاوید بنا دے - مگر یہاں آکر ایسے شخص سے ملے جو دنیاوی حسرتوں سے پرے نکل چکا تھا اور جس کی تعلیمات نے ان کو بتا دیا کہ روح کی باطنی تعمیر دنیاوی کارناموں سے اعلیٰ و ارفع ہے - جو کچھ انسان کرتا ہے وہ اتنا اہم نہیں جتنا کہ وہ خود بن جاتا ہے - انسان کی روح کی قیمت اُس کی ذاتی خوبیوں سے لگائی جاتی ہے - خسرو نے اپنے نصب العین کو نہیں چھوڑا - لیکن ان کی ہزاروں مترنم غزلیں ' اُن کی اُس قوت اور مسرت کا ثبوت دیتی ہیں جو اس نقطۂ نگاہ نے پیدا کر دیا تھا - درحقیقت قصیدہ‌گو خسرو اس مرشد کو کبھی نہیں بھول سکتے تھے جس نے ان کو اتنا سکھا دیا - بعد کی تمام مثنویوں میں حمد و نعت کے سلسلے میں شیخ نظام الدین کی مدح ہے - اُن کا نام سلطان کے نام سے پہلے آتا ہے -

لیکن تمام کوششوں کے باوجود شیخ نظام الدین سیاسی گرداب سے محفوظ نہ رہ سکے - سلطان علاءالدین کا بڑا لڑکا خضر خاں شیخ کا مرید تھا - اور قدرتاً لوگوں کا یہ گمان ہوتا تھا کہ شیخ اس کی تخت‌نشینی کی خواہش کریں گے - لیکن سازش کرکے علاءالدین قتل کر دیا گیا اور یہ کچھ نہ بولے - چالیس دن کی طوائف الملوکی کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا اور شروع میں میانہ روی اختیار کی اور شیخ سے متعرض نہ ہوا - فتح دکن سے واپسی پر جب اس کو ایک بزدلانہ سازش کا پتا چلا جو اس کے چچیرے بھائی ملک اسد الدین نے کی تھی ' اُس نے سازش کرنے والوں کو بہت سخت سزائیں دیں - یہاں تک کہ سلطان مرحوم کے بیٹوں خضر خاں ' سعدی خاں اور شہاب الدین کو ' جنھیں ملک کافور نے اندھا کرکے گوالیار میں قید کر دیا تھا قتل کرادیا - اس وقت سے مبارک کے دل میں شیخ کی طرف سے بدگمانی بیٹھ گئی - برنی لکھتا ہے -

" ازآنکه بر افتاد او نزدیک رسیده بود و زوال او دانا و نادان چون روز روشن می‌دیدند که به بدگفت شیخ نظام‌الدین قدس اللہ سرہ العزیز زبان می کشاد و عداوت آشکارا می‌کرد و ملوک و امرا را منع فرمود که کسے بزیارت شیخ در غیاث‌پور نه رود و بارها درمستیہائی متفوع بر زبان بیباکی می راند که هر که سر نظام الدین را بیارد هزار تنکۂ زر او را بدهم "

شیخ ضیاء الدین رومی کے سیوم میں شیخ نظام الدین اور مبارک شاہ کا آمنا سامنا ہو گیا - مبارک نے شیخ کا ذرا ادب نہ کیا - بلکہ سلام لینا بھی گوارا نہ کیا - شیخ رکن الدین کو ملتان سے اِس لیے بلایا گیا کہ لوگوں کی توجہ شیخ نظام الدین کی طرف سے ہٹ جائے - لیکن جب وہ اُن کے پرانے دوست نکلے تو مبارک نے شیخ زادۂ جام کو جو اُن کا پرانا دشمن تھا اُن کے مقابل بٹھادیا - جب لوگ لڑائی پر آمادہ ہوتے ہیں تو بہانہ بآسانی مل جاتا ہے - سلطان نے ایک مسجد بنائی جس کا نام مسجد میری رکھا ' اور شہر سے نمایاں لوگوں کو پہلا جمعہ پڑھنے کے لیے مدعو کیا - شیخ نے سلطان کے ایلچی سے جواب میں کہا کہ جو مسجد میرے مکان سے قریب ہے وہ زیادہ مستحق ہے - اس پر طرہ یہ ہوا کہ اُس زمانے میں رسم تھی کہ عمائدین شہر مہینے کی پہلی تاریخ کو دربار میں حاضر ہوتے تھے ' یہ نہیں گئے - اپنے خادم اقبال کو اپنی جگہ بھیج دیا - سلطان قدرتا یہ توہین نہیں برداشت کرسکا - اور دھمکی دی کہ آئندہ اذیت پر شیخ کو بذریعۂ فرمان شاہی طلب کیا جائے گا - چاند رات ہی کو مبارک شاہ یاور کے ہاتھ مارا گیا - اور شیخ نظام الدین آنے والی دقت سے نجات پاگئے - پرہیزگار امیر خسرو ہم کو یقین دلاتے ہیں کہ مبارک شاہ کا قتل یاور کا جرم نہیں تھا - بلکہ وہ شیخ کی دعاؤں کا اثر تھا - خوش‌قسمتی سے اِن مسائل کا حل حدود تاریخ سے خارج ہے -

سلطان ' اور مرشد برحق کی باہم چشمک کے باوجود خسرو کے " دونوں میٹھے رہے" مبارک شاہ کا خسرو سے برتاؤ اپنے باپ سے زائد فیاضانہ تھا - اور اس شاعر نے ان احسانات کے شکریے میں عہد مبارک شاہی کے اہم واقعات کی ایک منظوم تاریخ " نہ سپہر " لکھی - یاور کی حکومت جس کا آغاز مبارک شاہ کے قتل سے ہوا چند روزہ اور بدنظم تھی - لیکن غیاث الدین تغلق ' جو باغیوں کو پسپا کرکے تخت نشین ہوا ' زمانے کی ضروریات کو دیکھ کر بہترین بادشاہ ثابت ہوا - یہ اب تک حکومت کے فوجی اور انتظامی شعبوں میں مختلف عہدوں پر کام کرتا رہا تھا - اس کی خانگی زندگی بہت پاکیزہ اور پارسا تھی اور اس کے مزاج میں وہ ہٹ اور ضد بالکل نہیں تھی ' جو

عام طور پر اپنی قوت بازو سے ترقی کرنے والوں میں پائی جاتی ہے - ضیاءالدین برنی لکھتا ہے -

" در سر یک هفته مصالح جهانداري و امور ملکي را فراهم آورد و آن چندان پریشانیها و ابتریها که از خسرو خان و خسرو خانیان پیدا شده بود و از استیلاے حرام خوران کار و بار در سرا زیر و زبر شده فرو نشاند و کارهاے ملکي را ضبط کرد و مردمان هم چنین دانستند که مگر سلطان علاءالدین باز زنده شد "

عہد علاءالدین کے سخت قوانین منسوخ کردیے گئے - مگر اصلاحات بدستور رهنے دیے گئے - ایسے سلطان سے خسرو کو خاص انسیت هوگئی - ان کی آخری تاریخی مثنوی تغلق‌نامه غیاثی هے که یه اپنے آخری مربی کے کتنے معترف تھے - غیاث‌الدین نے جب بنگال پر حمله کیا تو یه همراه گئے - ان کی عدم موجودگی میں شیخ نظام الدین کا دلی میں انتقال هوگیا - [۱۸] واپسی پر ان کو اپنے اس دوست اور مرشد کی

[۱۸] کہا جاتا هے که شیخ نظام الدین کے تعلقات سلطان غیاث الدین سے بھی خوش‌گوار نه تھے - آخری مورخین کا یہی خیال هے - فرشته جو ان تمام واقعات کو جمع کرتا هے جو اس کے زمانے تک روایت هوتے چلے آئے تھے - اِس کے دو سبب بتاتا هے - خسرو خان نے جو هر طرف اپنے همدرد پیدا کرنا چاهتا تھا ' ان صوفیه میں جو نمایاں حیثیت رکھتے تھے لمبی رقمیں تقسیم کر دی تھیں - بعض لوگوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا - بقیه صوفیه نے قبول کرلیا ' مگر اس کو علحده محفوظ رکھا ' تا که جب سلطنت کا کوئی جائز وارث تخت نشین هو تو اس کو واپس کردیا جائے - تمام صوفیه کو تین تین لاکھ تنکے دیے گئے تھے ' مگر شیخ کو پانچ لاکھ دیے گئے تھے - انھوں نے دوسروں کے بر خلاف روپیا لے لیا' اور اس کو فوراً غربا میں تقسیم کرادیا غیاث الدین نے خسرو خاں کی تقسیم کی هوئی بہت سی رقم حاصل کرلی - تمام صوفیه نے واپس دے دی - مگر شیخ نظام الدین سے کچھ نہیں وصول هوا - صرف اس وجه سے که کچھ باقی نہیں رها تھا - کہا جاتا هے که اس واقعے سے غیاث‌الدین برگشته هوگیا - اس نے شیخ کے قوالی سننے پر بھی اعتراض کیا تھا - مگر علما کے ایک طویل مناظرے کے بعد راضی هوگیا - جب غیاث الدین بنگال سے واپس آ رها تھا تو اس نے شیخ نظام الدین کی خدمت میں ایک ایلچی کی معرفت شیخ سے اپنے پہنچنے سے قبل دلی چھوڑ دینے کی خواهش کی - شیخ نے جواب دیا " هنوز دلي دور است " اور شہنشاه دلی کبھی نہیں پہنچ سکا - اس عجیب و غریب عمارت کے گر جانے سے ' جو محمود تغلق نے باپ کے استقبال کے لیے تیار کی تھی ' دور وسطی کی امیدافزا حکومتوں میں سے ایک حکومت کی زندگی بہت مختصر رہ گئی - ادنیٰ مورخین نے اس واقعے کو شیخ کی کرامت کی حیثیت سے بیان کیا هے - صحیح واقعه اور زائد المهه هے - شیخ نظام‌الدین سلطان کے جنازے کے دلی پہنچنے سے ' کئی دن پہلے انتقال فرما چکے تھے - اِس قصے کا اخلاقی سبق چاہے جیسا هو ' مگر بعد کا الحاق معلوم هوتا هے - برنی یا امیر خسرو دونوں اُن دونوں حضرات کے درمیان جو اپنے اپنے شعبے میں مخصوص طور پر باکمال تھے ' کسی قسم کی رنجش کا تذکره نہیں کرتے هیں -

وفات کا جو اُن کو بہت عزیز رکھتا تھا بےحد صدمہ ہوا - شیخ نے کہا تھا "میری زندگی کی دعا کرو - کیونکہ کہ تم بھی میرے بعد زائد عرصے تک زندہ نہیں رہو گے "

پیشین‌گوئی صحیح ثابت ہوئی - پورے چھ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ خسرو کا انتقال ہوگیا - اور اپنے مرشد کے پائنتی دفن ہوئے -

شیخ نظام الدین نے وفات سے قبل کہا تھا " میری قبر پر کوئی مقبرہ نہ بنے - مجھے یوں ہی کھلے میدان میں آرام کرنا پسند ہے " لیکن سلطان محمد تغلق نے ایک قبہ بنوا دیا - چھ سو برس گزر گئے - سلطنتیں قائم ہوئیں اور مٹ گئیں - دلی متعدد بار اُجاڑ ہوا اور پھر آباد ہوا - مگر ان انقلابات میں شیخ نظام الدین کا مقبرہ تباہ شدہ کھنڈروں اور ویرانوں میں آباد بستی رہی - اور ہندوؤں اور سلمانوں کی یکساں زیارت گاہ -

---

هندستاني اکيڈيمي صوبۂ متحدہ کي
نئي مطبوعات

۱ - يادگار شعرا — ڈاکٹر اشپرنگر کي فہرست کتب خانۂ شاہان اودھ کا اردو ترجمہ — از مولوی طفيل احمد صاحب ، بی اے -
ضخامت ۲۳۲ صفحات قيمت دو روپيے

۲ - دو ناياب زمانہ بياضيں اور اُن کا انتخاب - غير مشہور شعرا کا کلام جن سے تذکرے خالی ہيں — از مولانا عبد الباری آسي مرحوم -
ضخامت ۱۷۰ صفحات قيمت ايک روپيہ آٹھ آنے

۳ - ہم آپ — از مولانا عبدالماجد صاحب دريابادي ، بی اے - "پاپولر سائکا لوجی" يعني روزمرہ کي زندگی ميں کام آنے والا نفسيات پر ايک عالم فہم رسالہ — ضخامت ۲۲۴ صفحات

۴ - سوانح حيات امير خسرو — از پروفيسر محمد حبيب صاحب مترجمۂ مسٹر حيات اللہ صاحب انصاري ، ضخامت ۴۲ صفحات ، قيمت دس آنے

زير طبع کتابيں

۱ - گلزار نظير اکبرآبادی — نظير اکبرآبادی کا اُردو کلام مع مقدمہ ، مرتبۂ سليم جعفر صاحب

۲ - کليات انشا (اردو) — مرتبۂ مرزا محمد عسکري صاحب و مولوی محمد رفيع ،
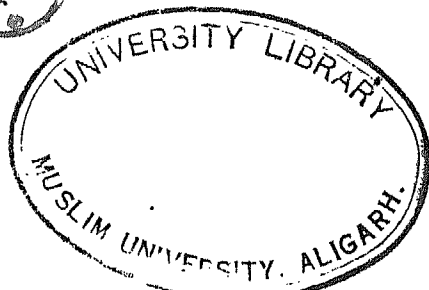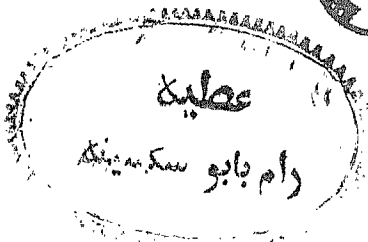
مطبوعات ہندستانی اکیڈمی

۱—عرب و ہند کے تعلقات—از علامۂ سید سلیمان ندوی - یہ پانچ تقریریں ہیں۔ ہر تقریر مجتہدانہ کاوش کا نتیجہ ہے جس میں بہت سے اہم تاریخی مسائل کے متعلق قدیم اور جدید مورخین کی غلطیاں بے نقاب کی گئی ہیں - یہ اپنے موضوع پر لاجواب کتاب ہے - ضخامت ۴۰۲ صفحات علاوہ ضمیمہ و صحت نامہ - قیمت مجلد چار روپے -

۲—تاریخ ہند کے ازمنۂ وسطیٰ میں معاشرتی اور اقتصادی حالات—از مسٹر عبداللہ یوسف علی سی - بی ' ای ' ایم - اے ' ال ال ایم - اس میں تو سو برس کے اقتصادی اور معاشرتی حالات ہندستان کے متعلق جمع کئے گئے ہیں - ماخذوں میں مشرق و مغرب کے فضلا کی تصنیفات سے فائدہ اُٹھایا ہے - ضخامت ۱۰۹ صفحات ' مع انڈکس - قیمت ایک روپیا -

۳—انگریزی عہد میں ہندستان کے تمدن کی تاریخ—از مسٹر عبداللہ یوسف علی سی - بی - ای ' ایم - اے ' ال ال - ایم - اس میں انگریزی عہد کی ترقیوں کا ذکر ہے - طباعت ' ٹائپ ' تراجم ' کتابت ' علمی سوسائٹیاں ' قانون ' آداب معاشرت ' اخلاق ' فنون لطیفہ ' تعلیم ' اخبارات ' علم ادب ' طب ' اُردو نثر ' نظم اور مختلف مذہبی ' تعلیمی ' ادبی ' سیاسی تحریکات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے - ضخامت ۲۱۵ صفحات مع ضمیمہ - قیمت تین روپے آٹھ آنے -

۴—قرون وسطیٰ میں ہندستانی تہذیب—از رائے بہادر مہامہوا پادھیائے گوری شنکر ہیرا چند اوجھا - مترجمۂ منشی پریم چند - یہ ہندی کے تین لکچروں کا ترجمہ ہے - ان میں پہلی تقریر بدھ مذہب ' جین دھرم ' برہمن دھرم ' ویشنو فرقہ ' شیو فرقہ ' ہندو دھرم کے عام ارکان ' ذاتیں ' چھوت چھات ' پوشاک ' زیور ' غذا ' غلامی ' توہمات ' اطوار ' عورتوں کی تعلیم ' پردہ ' شادی ' ستی ' پر ؛ دوسری ادبیات پر ؛ اور تیسری نظام سلطنت اور صنعت و حرفت پر ہے - ہر موضوع پر مدلل بحثیں ہیں - ضخامت ۲۳۸ صفحات ' علاوہ انڈکس - قیمت مجلد چار روپے -

۵—معاشیات : مقصد اور منہاج—از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ایم - اے ' پی ایچ ڈی - اس کتاب میں معیشت انسانی پر مابعد الطبیعی ' علوم طبیعی ' اور علوم تمدنی کے تین نقطہ ہائے نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے اسی لیے علم المعیشت کو معیاری ' ترتیبی اور افہامی قرار دیکر تین عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا - یہی وہ تین شکلیں ہیں جو آج اس علم نے اختیار کی ہیں - ضخامت ۱۱۸ صفحات - قیمت ایک روپیا -

۶—اصول تعلیم—از خواجہ غلام السیدین بی - اے، ایم - ایڈ - اس کتاب کے تین حصے ہیں - پہلے اور دوسرے حصے میں پانچ پانچ باب ہیں اور تیسرے حصے میں چھے تعلیم اور اصول تعلیم پر یہ اُردو میں سب سے بہتر کتاب ہے - مع مقدمہ از نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سر سید راس مسعود، ایل ایل ڈی لٹ مرحوم - صفحات ۶۰۱ - قیمت مجلد تین روپے -

۷—طنزیات و مضحکات—از مسٹر رشید احمد صدیقی ایم - اے - اس کتاب میں طنز کی تاریخ، اور پھر اُس کے فارسی اور اُردو ادب سے نمونے پیش کئے گئے ہیں - فارسی طنز کا حصہ محض تمہیدی ہے - مقصود صرف اُردو طنزیات کا پیش کرنا ہے جس کے لیے نظم و نثر سے اچھے نمونے جمع کئے گئے ہیں - ضخامت ۲۲۹ صفحات، علاوہ غلط نامہ - قیمت تین روپیہ -

۸—نفسیات فاسدہ—مترجمہ پروفیسر معتصم ولی الرحمان ایم - اے - مرحوم نفسیات فاسدہ یعنی وہ نفسیات جو حیات ذہنی کے فسادات و اختلالات کو واضح کرتے ہیں، اُن پر اب تک اُردو میں کوئی کتاب نہ تھی - یہ کتاب پروفیسر میک ڈوگل کی انگریزی کتاب " ابنارمل سائی کالوجی " کا ترجمہ ہے، اور ضمیمے کے طور پر پروفیسر سگمنڈ فرائڈ کے پانچ لکچروں کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے - ضخامت ۱۰۴۰ صفحات - قیمت آٹھ روپے -

۹—چند دکھنی پہیلیاں—از مولوی محمد نعیم الرحمان ایم - اے - اس میں اُردو یا ہندستانی دکھنی کی چند پہیلیاں گیارہ دھاوں میں مختلف موضوعات پر جمع کی گئی ہیں - ضخامت ۱۳۴ صفحات - فرہنگ علاوہ - قیمت ایک روپیہ چار آنے -

۱۰—ہندستان کا نیا دستور حکومت—از پنڈت کشن پرشاد کول - اس ۱۶۷ صفحات کی کتاب میں موجودہ وقت کے تمام ضروری مسائل بیان کردیے گئے ہیں - کتاب بہت دلچسپ اور کارآمد ہے - وہ لوگ جو انگریزی زبان سے نا واقف ہیں اُن کے مطالعے اور واقفیت کے لیے اُردو زبان میں یہ سب سے بہتر اور مختصر ذخیرہ ہے - قیمت قیمت ایک روپیہ -

۱۱—انقلاب روس—از پنڈت کشن پرشاد کول - اس کے پہلے حصے میں ابتدائی زمانے سے لے کر جنگ عظیم و ما بعد تک کی ایک اجمالی تاریخ ہے - دوسرے میں سوشلزم، لنن، بولشوزم، اور سنہ ۱۹۱۷ع کے انقلاب کا ذکر ہے - تیسرے حصے میں دستور حکومت، آئین و قوانین ہیں - چوتھے میں ملکیت، صنعت و حرفت، زراعت، کو آپریشن پر مضامین ہیں - پانچواں حصہ تعلیم، مذہب، طرز معاشرت پر مشتمل ہے - ضخامت ۲۵۰ صفحات - قیمت دو روپے آٹھ آنے -

ہندستانی اکیڈمی، صوبۂ متحدہ، الہ آباد